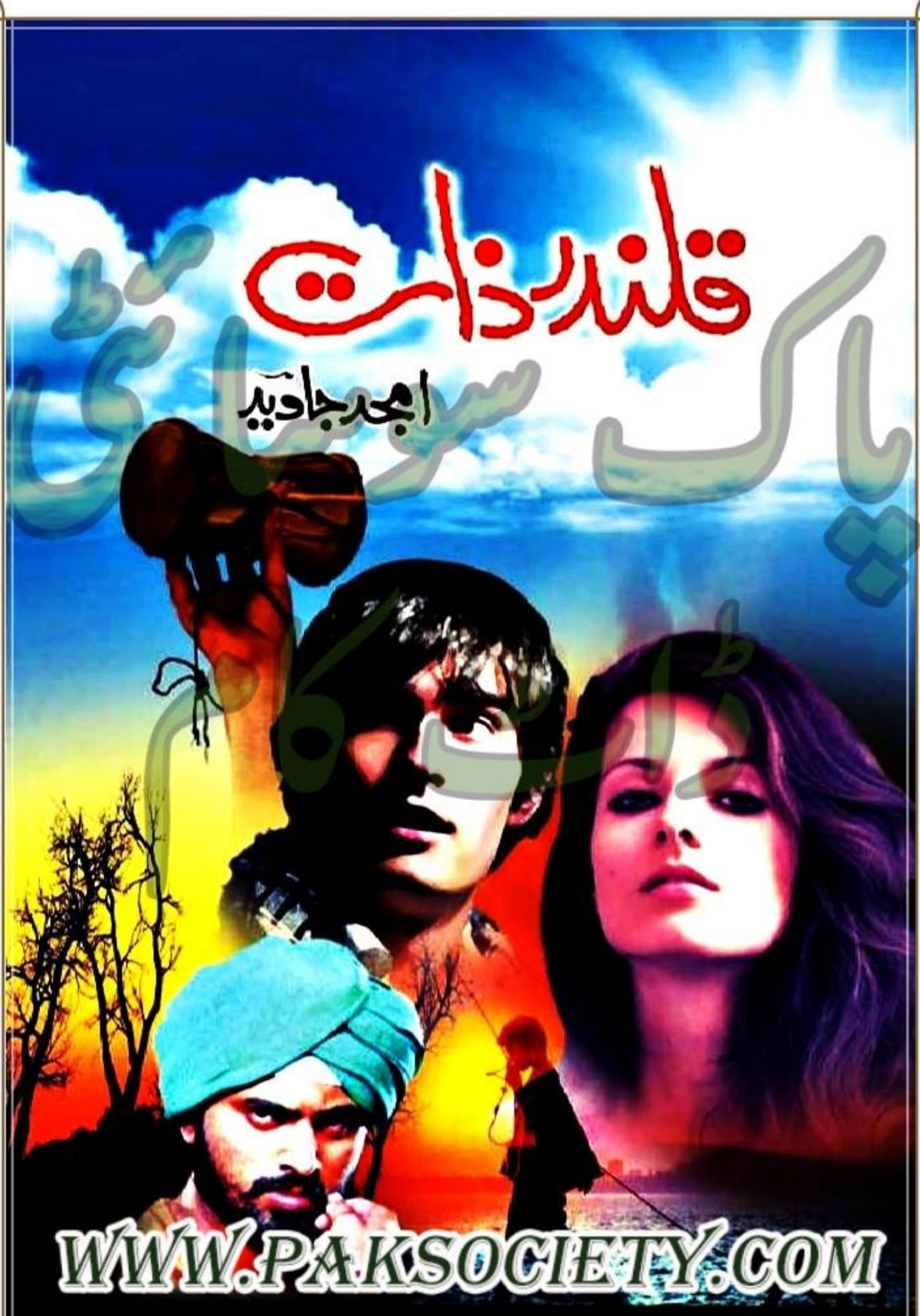

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ماہنامہ نئے افق ڈائجسٹ میں چھپنے والا امجد جاوید کا مشہور سلسلہ

قلندر ذات

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

امجد جاوید

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

وہ میلے کی آخری رات تھی۔ میں نے مسافر شاہ کی تھڑے کی چار دیواری کے ساتھ اپنی بائیک روک کر بند کر دی۔ وہاں کافی اندھیرا تھا لیکن مسافر شاہ کے تھڑے کی نکڑ پر روشن دیوں کی روشنی، اس اندھیرے کو چیر رہی تھی۔ رات کی سیاہ تاریکی میں وہ ٹمٹماتے ہوئے دیئے زندگی کی علامت معلوم ہو رہے تھے۔ میرے دائیں جانب وہ کھلا میدان تھا، جہاں میلہ اب اُجڑ چکا تھا۔ وہاں لگی ہوئی عارضی دکانیں ختم ہو چکی تھیں۔ کچھ سمیٹ لی گئی تھیں اور کچھ سمیٹی جا رہی تھیں۔ کافی فاصلے پر سینکڑوں لوگوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ جہاں سے تیز روشنی کے ساتھ جا بجا نصب اسپیکروں سے فلمی گیت کی آواز ہر جانب پھیلی ہوئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس مجمع کے پنڈال میں طوائفیں رقص کر رہی ہیں۔ میں نے بائیک کو لاک نہیں کیا، ویسے ہی دیوار کے ساتھ لگا کر اُتر آیا۔ میں نے لاشعوری طور پر اپنی ''ڈب'' میں موجود پسٹل کو ہاتھ سے محسوس کیا اور ایک سنسنی خیز لہر کے ساتھ اس مجمع کی جانب بڑھ گیا۔

اگرچہ ان طوائفوں کا ناچ دیکھنے علاقے کا کوئی بھی بندہ جا سکتا تھا لیکن میں اپنے گاؤں کے سردار شاہ دین کے اکلوتے بیٹے شاہ زیب کی خصوصی دعوت پر وہاں گیا تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے مجھے وہاں کیوں بلوایا ہے۔ میں مجمع کو چیرتا ہوا پنڈال میں جا پہنچا جو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

وہاں عام لوگ تو تھے ہی، لیکن علاقے کے امیر زادے اپنی انفرادیت' کروفر اور طمطراق کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی انفرادیت جتانے کے لیے خاص اہتمام کیا ہوا تھا۔ شامیانے میں کرسیاں قطاروں میں بچھی ہوئی تھیں۔ وہاں سبھی اپنے لاؤ لشکر اور مصاحبوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ایک طرف جہاں اپنی طاقت کا اظہار تھا تو دوسری طرف کسی بھی ناگہانی افتاد سے نپٹا جا سکتا تھا۔ میں ایک ہی نگاہ میں سارے پنڈال کا جائزہ لے کر اس جانب بڑھ گیا جدھر شاہ زیب بیٹھا ہوا تھا۔ میری آمد پر اس نے مجھے چونک کر دیکھا، جیسے میرے وہاں آ جانے کا یقین کر رہا ہو۔ اس کے لبوں فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ تبھی اس نے اپنے ایک مصاحب کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً ہی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا تو میں وہاں جا بیٹھا۔ ہم دونوں میں محض مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔ کیونکہ ہم دونوں ہی اپنی وہاں پر موجودگی کے بارے میں جانتے تھے۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میری آمد پر شکریے کا اظہار کیا پھر ان طوائفوں پر نوٹ برسانے لگا۔ جو وہاں ان کے سامنے محو رقص تھیں۔ دوسرے امیر زادے بھی ایسے ہی شغل میں مصروف تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان امیر زادوں کے درمیان نوٹ برسانے کا مقابلہ چل رہا ہے۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد میں اپنے جگری یار اشفاق عرف چھا کا کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی وہ مجھے اپنی مخصوص منڈلی کے ساتھ دکھائی دے گیا۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہا تھا اور میری توقع کے مطابق اس کے چہرے پر حیرانی پھیل گئی تھی۔ بلاشبہ وہ میری آمد پر حیران تھا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اپنے جذبات کا احساس دلایا تو میں سکون سے محفل کی طرف متوجہ ہو گیا، جواب گرم ہو چکی تھی۔

وہاں کافی طوائفیں ناچ رہی تھیں۔ سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ تاہم میری نگاہ ایک سرو قد طوائف پر جم کر رہ گئی۔ سیاہ لباس میں ملبوس وہ تیز روشنی میں دمک رہی تھی۔ جوانی تو جیسے اس پر ٹوٹ کر آئی تھی۔ سیندور ملا گورا بدن اس کے لباس میں سے چھلک رہا تھا۔ بہت حد تک عیاں اور

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھوڑا بہت نہاں گورا بدن تراشا ہوا لگ رہا تھا۔ کھلے ہوئے گیسوؤں میں گول چہرہ چمکتے چمکتے' کافی حد تک پسینے میں بھیگی ہوئی۔ سب سے بے نیاز' فلمی گیت کی لے پر جنونی انداز میں ناچ رہی تھی۔ شاید مجھے اس میں انفرادیت اس لیے دکھائی دے تھی کہ وہ بس محو رقص تھی۔ خود ساختہ ادائیں نہیں دکھا رہی تھی۔ وہ مجھ سے ذرا فاصلے پر تھی۔ میں نے اس کے چہرے کے نقوش دیکھے مگر اس کے حسن کو محسوس نہ کر سکا۔ جیسے اس کے بدن کی تمام تر وادیاں میرے سامنے تھیں لیکن وہ ساری بھول بھلیاں ابھی اوجھل تھیں جن میں کوئی گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ میری نگاہ اس پر ٹک کر رہ گئی۔ فقط میں ہی نہیں وہاں پر موجود زیادہ تر لوگوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ عورت جو کچھ ڈھکی اور زیادہ عیاں ہو' جس کے بدن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہو' اتنے بڑے ہجوم میں اعتماد اور بے نیازی سے اپنے فن میں ڈوبی ہوئی ہو' ایسی حسینہ کسی بھی مرد کے دل میں اُتر جائے تو یہ ایک فطری سی بات ہوتی ہے۔ اس وقت وہ سرو قد طوائف زادی آسمان سے اتری ہوئی پری ہی دکھائی دے رہی تھی۔ خود میں نے اپنے من میں اس کی کشش کے بارے میں لہر اٹھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

رات جس قدر گہری ہوتی جا رہی تھی، پنڈال میں اسی قدر جوش و مستی چھا رہی تھی۔ امیر زادے اپنی امارت کے نشے میں مخمور نوٹ برساتے چلے جا رہے تھے۔ میں ان امیر زادوں کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ وہ سب ان محو رقص طوائفوں کے ساتھ مست تھے۔ زمین کے اس ٹکڑے پر یہ محفل گرم تھی جبکہ آسمان پر چاند پوری آب و تاب سے چاندنی کی ٹھنڈک لٹا رہا تھا۔ تین دن اور تین راتیں لگنے والا یہ میلہ بڑا ہی رنگین ہوا کرتا تھا۔ اس میلے میں شرکت کے لیے پورا علاقہ سال بھر انتظار کیا کرتا تھا بلکہ اس کے لیے بھرپور تیاریاں بھی کی جاتی تھیں۔ تقریباً پچاس گاؤں اور ان کے درمیان چھوٹی بڑی بستیوں سے کئی نوجوان مختلف کھیلوں کے لیے تیار ہوا کرتے تھے۔ انہی نوجوانوں کے درمیان مقابلے ہوتے جو جیت جاتا وہ اپنا اعزاز بچانے کے لیے مزید محنت کرتا اور جو ہار جاتے وہ جیتنے کی خواہش میں سخت سے سخت محنت سے گزرتے۔ یوں پورا علاقہ چند دھڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور ہر دھڑے کی سرپرستی کوئی نہ کوئی امیر زادہ کرتا۔ سبھی اپنے اپنے نوجوانوں اور شہہ زوروں پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ اس لیے علاقے میں بہت سارے گبھرو اور شہہ زور جوان نکلا کرتے تھے۔ اس کے درمیان مقابلے کروانے کے لیے علاقے کی ایک انجمن بنی ہوئی تھی جو نہ صرف امن و امان برقرار رکھتی بلکہ انعام و اکرام سے بھی نوازتی تھی۔ یہ انجمن خاصے مضبوط لوگوں کی تھی، سبھی ان کا حکم مانتے تھے۔

پاکستان بننے سے بھی کہیں پہلے اس میلے کی ابتدا نجانے کب ہوئی تھی۔ اس بارے میں کوئی نہیں جانتا بس ایک روایت تھی کہ ایک بزرگ جسے لوگ مسافر شاہ کے نام سے جانتے تھے وہ اس میلے والے میدان کے ایک کونے میں کچھ عرصہ ٹھہرے تھے۔ جہاں اب ایک پختہ تھڑا بنا ہوا تھا۔ وہیں ایک برگد کا درخت تھا۔ جس پر معلوم نہیں کتنے برس گزر چکے تھے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ اس پورے علاقے میں کہیں کوئی برگد کا درخت نہیں تھا۔ میلے والے میدان میں جنگلی جھاڑیاں اُگا کرتی تھیں۔ نجانے کب اس جگہ کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ اگر کوئی وہاں منت مان لے تو اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مسافر شاہ نے اپنے قیام کے دوران بہت سارے لوگوں کو فیض یاب کیا تھا۔ عوام اس برگد کے درخت کو بڑے احترام سے دیکھتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ درخت مسافر شاہ نے لگایا تھا۔ لوگ اس درخت پر منت کا رنگین دھاگہ باندھتے تھے۔ پہلے پہل وہ تھڑا کچا تھا۔ مجھے جہاں تک معلوم تھا اس تھڑے کو شاہ زیب کے پڑ دادا نے پختہ کروایا تھا۔ اس کے ساتھ ایک کنواں بھی کھدوایا اور اس تھڑے کے اردگرد چار

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دیواری کا حصار بھی بنا دیا۔ عمومی طور پر سارا سال وہ میدان خالی رہتا۔ راہ چلتے مسافر اس برگد کے درخت تلے کچھ دیر آرام کرتے۔ کنویں سے پانی پی کر اپنی پیاس بجھاتے اور اپنی راہ لیتے۔ ارد گرد کے غریب لوگ جنگلی جھاڑیاں کاٹ کر لے جاتے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اتنے بڑے میدان پر کسی جاگیردار یا سردار کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ میلہ شروع ہونے سے چند دن قبل کھمبیوں کی مانند رونق ابھرنے لگتی۔ پہلے دکانیں سجنے لگتیں پھر دور و نزدیک سے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے فنکار جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ تھیٹر' موت کا کنواں' بازی گر' نٹ باز' بہروپیے' جادوگری اور شعبدہ بازی کے کمالات دکھانے والے سنیاسی' حکیم' پتھر بیچنے والے' عورتوں کے ہار سنگھار اور بچوں کے کھلونے فروخت کرنے والے اور نجانے کون کون سے حلوائی آ جاتے۔ ہر کوئی اپنے فن کا مظاہرہ کرتا اور داد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی رقم کما لے جاتا۔

اس میلے میں ایک بڑا میدان مختلف مقابلوں کے لیے مختص تھا۔ میلے کے دنوں سے پہلے ہی امیر' امراء اپنے اپنے شہ زوروں' فنکاروں اور نوجوانوں کے ساتھ وہاں ڈیرے ڈال لیتے۔ مختلف مقابلے ہوتے' شرطیں لگتیں' انعامات ملتے' جیتنے ہارنے کے نجانے کتنے منظر دیکھنے کو ملتے اور پھر آخری رات اس میدان میں طوائفیں آ جاتیں۔ تب رنگین مزاج لوگ اس ماحول کو رنگین تر کر دیتے۔ رات کے آخری پہر تک سماں بندھا رہتا۔ امیر زادوں میں نوٹ برسانے کا مقابلہ چلتا۔ جس کے پاس نوٹ ختم ہو جاتے یا وہ حوصلہ ہار جاتا وہ چپکے سے اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے نکل جاتا۔ محفل کے اختتام تک نوٹ لٹانے والے کی واہ واہ پورا سال علاقے بھر میں گونجتی رہتی۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہاں پر آنے والی طوائفیں ایک ہی خاندان سے ہوتی تھیں۔ یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کی پشت میں سے کون سی طوائف پہلے یہاں آئی تھی۔ یہ بات بھی روایت کی طرح مشہور تھی کہ جب مسافر شاہ کا یہاں قیام تھا ان دنوں ایک طوائف کا گزر یہاں سے ہوا تھا۔ وہ بڑی بے بس اور غریب تھی۔ نہ اس کے پاس خوب صورتی تھی اور نہ دولت' وہ جب یہاں سے پلٹ کر گئی تو اس کی قسمت ہی بدل گئی۔ دوبارہ جب وہ یہاں آئی تو مسافر شاہ نہیں تھے۔ وہ رات بھر یہاں ناچتی رہی۔ پھر اس کے خاندان سے طوائفیں یہاں آنے لگیں۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ یہیں ایک رات یہاں مجرا کرتی تھیں۔ پھر اس کے بعد سال بھر وہ کہیں بھی کوئی محفل نہیں سجاتی تھیں۔ اب یہ بات درست تھی یا غلط' کسی نے بھی تحقیق نہیں کی تھی۔ میلے کی آخری شام ڈھلتے ہی وہ لوگ آ جاتے۔ رات بھر محفل رنگین کرتے اور صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی واپس لوٹ جاتے۔ وہ لوگ کبھی کسی کے مہمان نہیں رہے تھے۔ بچپن سے میں یہی سنتا آیا تھا۔ پہلے میں ہر سال میلہ دیکھنے آتا تھا لیکن چند سال ہوئے ادھر نہیں آیا تھا۔ اس بار شاہ زیب کی خصوصی دعوت پر چلا آیا تھا۔ وہ اگر دعوت نہ بھی دیتا تو میں نے اس بار میلے میں ضرور آنا تھا۔

اس وقت رات گہری ہو گئی تھی۔ وہ سرو قد طوائف زادی پسینے میں شرابور تھی۔ اس کا سیاہ لباس بھیگ کر بدن سے چپک گیا تھا۔ جس قدر اس کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ تماش بین اسی قدر نوٹوں کی بارش کر رہے تھے۔ مجھ سے ذرا فاصلہ پر شاہ زیب بھی اپنے سامنے نوٹوں سے بھرا تھیلا رکھے ہوئے تھا۔

اس دفعہ اس کا خمار ہی عجیب تھا۔ میلے کے ان تین دنوں میں اس کی سرپرستی میں نوجوانوں نے سب سے زیادہ انعام جیتے تھے۔ ان شہہ زوروں' محافظوں' نوجوانوں اور گاؤں کے لوگوں کے درمیان وہ کھل کر ان طوائف زادیوں کو داد و تحسین سے نواز رہا تھا۔ کچھ طوائفیں تھک ہار کر بیٹھ گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھیں۔ جس طرح کچھ امیر زادے اپنی ہار تسلیم کر کے وہاں سے چلے گئے تھے اس وقت شاہ زیب کے سامنے ایک اکیلا پیر زادہ فیروز کا بیٹا' پیر زادہ وقاص ہی ڈٹا ہوا تھا۔ یہی دکھائی دے رہا تھا کہ اس کے پاس نوٹ ختم ہی نہیں ہو رہے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ باقی بچی ہوئی طوائفیں انہی دونوں کے درمیان بٹ کر رہ گئی تھیں۔ لاشعوری طور پر یہی وہ فیصلہ کن لمحات تھے۔ جو بھی طوائفوں کو اپنے سامنے ناچنے پر مجبور کر دے وہی یہ مقابلہ جیت جائے جاتا، ورنہ سامنے والے کے نوٹ ختم ہو جانے تک یہ مقابلہ جاری رہنا تھا۔

میں اس سروقد طوائف زادی میں کھویا ہوا تھا جو ہمارے سامنے ناچ رہی تھی۔ یوں دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے اسے اپنا ہوش ہی نہیں ہے۔ وہ مست الست حالت میں تھی۔ اس کے ساتھ دوسری چند طوائفیں بھی تھیں مگر اس کا جنون بالکل منفرد تھا۔ اسے کوئی ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ شاہ زیب کے سامنے سے ہٹی ہی نہیں تھی چند طوائفیں پیر زادہ وقاص کے سامنے تھیں۔ مگر لوگوں کی توجہ ان پر نہیں تھی۔ یوں پورا پنڈال اس سروقد حسینہ کی طرف متوجہ تھا۔ شاہ زیب نے اس کی مستی اور جنونی کیفیت کے پیش نظر اپنے دونوں ہاتھوں میں نوٹ پکڑے اور اٹھ کر نوٹ وارنے لگا۔ جس پر پنڈال میں ہاؤ ہو کا شور مچ گیا۔ پیر زادہ وقاص کے سامنے ناچنے والی طوائفوں کو ہر کوئی بھول گیا۔ مجمع سمٹ کر اس سروقد طوائف زادی کے اردگرد جمع ہونے لگا۔ یہ پیر زادہ وقاص کے لیے بڑی ہتک کی بات تھی۔ یک بارگی اس کی طرف سے ایک نوجوان اٹھا اور بڑی تیزی سے آ کر اس سروقد طوائف زادی پر نوٹ برسانے لگا۔ کوشش یہی تھی کہ وہ اس حسینہ کو اپنی جانب متوجہ کر لے یا پھر اسے مائل کر کے اپنی طرف لے جائے۔ شاید اس طرح ہاتھ سے جاتا ہوا میدان وہ مار لیں۔ مگر وہ سروقد حسینہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ اسی جنونی انداز سے ناچتی رہی کہ جیسے اسے اپنے اردگرد کا ہوش ہی نہیں ہے۔ اس نوجوان کو جب اپنی کوشش رائیگاں جاتی ہوئی دکھائی دی جو بلاشبہ شرمندگی کا باعث تھی۔ تب اس نوجوان نے سروقد طوائف زادی کا بازو پکڑ لیا۔ وہ اسے اس جانب لے جانے کی کوشش کرنے لگا جس طرف سے وہ آیا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کوئی طوائف کو ہاتھ لگائے۔ یہی وہ لمحات تھے جب میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ جس مقصد کے لیے شاہ زیب نے مجھے دعوت دی تھی یا پھر یہاں آنے کا نادیدہ بلاوا تھا، وہ وقت آن پہنچا ہے۔

بلاشبہ میرے لیے امتحان کی گھڑی آن پہنچی تھی۔ کیونکہ شاہ زیب کے حواری اور مصاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ چلتا ہوا گیت اچانک رک گیا تو ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ جس کے ساتھ ہی اس سروقد طوائف زادی کو ہوش آ گیا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے اردگرد دیکھا پھر حیرت اور غصے سے اس نوجوان سے اپنا بازو ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔ تبھی شاہ زیب کی آواز گونجی۔

''اوئے نوجوان! ایسا نہ کرو..... مقابلہ کرو مقابلہ..... نوٹ اگر کم پڑ گئے ہیں تو مجھ سے لے لو لیکن مقابلہ کرو۔ یہ جو تم کر رہے ہو میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گڈیاں اس نوجوان کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو صبح ہونے کا انتظار کرو اور مقابلہ کرو۔''

شاہ زیب کی آواز کیا گونجی پورے پنڈال میں سناٹا چھا گیا۔ جبکہ میرے بدن میں وہی سنسناہٹ ہونے لگی تھی جو بھوکے شیر کو اپنا شکار مل جانے پر ہوتی ہے۔ میرے جبڑے بھنچ گئے تھے پھر وہی ہوا جو میں سوچ رہا تھا۔ پیر زادہ وقاص کی طرف چند لوگ اٹھے وہ انتہائی غیظ و غضب میں

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھے۔ ان کے پیچھے بہت سارے لوگ بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ میدان جہاں چند منٹ پہلے تک طوائفیں ناز و انداز کے ساتھ محو رقص تھیں۔ وہی اب میدان کارزار بن گیا تھا۔ ایک ہجوم ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو گیا۔ اسی دوران پیرزادہ وقاص کی طرف سے کسی نے ہوائی فائر کر دیا۔ فائر کی آواز نے میرے اعصاب کے تار ہلا دیے۔ ممکن ہے اس کا مقصد یہی رہا ہو کہ لوگ ڈر جائیں اور خوف زدہ ہو کر بھاگ جائیں۔ تبھی میرے قریب کھڑے شاہ زیب نے میری جانب دیکھا اور کہا۔

''جمال! جس کے پاس بھی اسلحہ ہو وہ یہاں سے بچ کر نہ جائے۔ باقی میں سنبھال لیتا ہوں۔''

جیسے ہی اس کے لفظ میرے کانوں میں پڑے اس لمحے میرا پسٹل میرے ہاتھوں میں تھا اور میں اس کا سیفٹی کیچ ہٹا چکا تھا۔ وہاں کسی کو قتل کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ جو بھی اسلحہ چلانے کی کوشش کرتا اسے اس طرح زخمی کر دیا جائے کہ وہ اسلحہ نہ چلا سکے۔ اب یہ کڑے امتحان والی بات تھی کہ اتنے بڑے ہجوم میں فائر اس طرح کیا جائے کہ سامنے والا محض زخمی ہو۔ شاہ زیب کو معلوم تھا کہ میرا نشانہ کس طرح ''سُچا'' ہے اور مجھے بھی اپنے فن پر ناز تھا۔ اس لیے میں نے پہلا نشانہ ہی اس بندے کا لیا جس نے ہوائی فائر کیا تھا اور اس فائر کا ردعمل دیکھ رہا تھا۔ ایک دھماکے کے ساتھ پیرزادہ وقاص کے پاس ایک چیخ ابھری۔ تب تک میں اپنی جگہ تبدیل کر کے نسبتاً اندھیرے میں اونچی جگہ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے یکے بعد دیگرے دو مزید بندوں کا نشانہ لیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ وہاں ہلچل مچ گئی۔ کچھ دیر پہلے جہاں جوش بھرے نعرے اور جوانی سے بھرپور رنگین فقرے بازی ہو رہی تھی اب وہاں خوف میں لپٹی ہوئی چیخیں اور جان بچانے کی فکر میں لوگوں کی بھگدڑ تھی۔ دونوں حریفوں کے لوگ گتھم گتھا تھے جبکہ میں یہی دیکھتے ہوئے اندھیرے میں ہو گیا کہ مخالف فریق میں سے اسلحہ کس کس کے پاس ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ کس حریف کا پلہ بھاری پڑ رہا ہے۔ مجھے تو اپنا کام کرنا تھا۔

پیرزادہ وقاص کے اردگرد چند محافظ تھے۔ ان کے پاس مختلف ماڈل کی گنیں تھیں۔ میں اگر انہیں ہی نشانہ بنا لیتا تو نہ صرف پیرزادہ کی ہوا نکل جاتی بلکہ وہ فائر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ جتنی جلدی ہو جاتا اتنا ہی فائدہ مند تھا۔ دشمن کے بارے میں جب یہ یقین ہو جائے کہ وہ وار کرے گا تب ایک لحہ ضائع کیے بغیر اس پر وار کر دو ورنہ اس نے تو وار کرنا ہی ہے۔ دشمن کو موقع دینا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ پیرزادہ وقاص کے حصار کو خوف زدہ کر دینا صرف اور صرف سچے اور سُچے نشانے ہی سے ممکن تھا۔ میری پہلی نگاہ میں وہ شخص آیا جو اپنی گن کو بولٹ مار چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا' میں نے اس پر فائر جھونک دیا اگلے ہی لمحے وہ چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ گولی اس کے کندھے کو چیر گئی تھی۔ پھر میں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کے چہروں پر حیرت کس قدر ہے۔ وہ گولی کی سمت ہی متعین کرتے رہ گئے اور میں نے اس کے حصار پر اپنا میگزین خالی کر دیا۔ یکے بعد دیگرے کئی فائر ہوئے تھے اس لیے انہیں سمت کا اندازہ ہو گیا۔ تبھی ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور میرے قریب سے گزر گئی۔ اگر میں نے عادت کے مطابق جگہ تبدیل نہ کی ہوتی تو بلاشبہ وہ گولی میرے بدن میں پیوست ہو جاتی۔ میں نے میگزین بدلا اور جگہ بدل کر فائر کرنے لگا۔ ان دیکھی موت کا خوف زیادہ ہوتا ہے۔ یکے بعد دیگرے کئی اسلحہ بردار ڈھیر ہو گئے تو ان میں مقابلے کی سکت نہ رہی۔ ان دیکھی گولیوں کا شکار وہیں گر کر تڑپنے لگے تو پیرزادہ وقاص میں دم نہیں رہا۔ میں نے دیکھا وہ تیزی سے لوگوں کے درمیان میں سے نکلتا چلا جا رہا ہے۔ میں نے اس کا نشانہ لیا اور چاہا کہ اسے زخمی کر دوں مگر نجانے کیا سوچ کر اس کے قریب کھڑے بندے پر فائر جھونک دیا۔ وہ بندہ چیخ مارتے ہی الٹ گیا۔ تبھی اس کا خوف دیدنی تھا۔ اگلے ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لمحے اس کا پتا ہی نہ چلا کہ وہ کدھر گیا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میرا پورا دھیان اس طرف تھا کہ گولی کسی کو بھی ایسی جگہ نہ لگے جس سے وہ مر جائے صرف انہیں زخمی کر کے دہشت زدہ کرنا تھا اور وہ ہو گئے۔ پیرزادہ وقاص کو میں خوف زدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اپنے سردار کو وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھ کر اس کے حواری بھی تتر بتر ہونے لگے۔ جس کے جس طرف سینگ سمائے وہ اس طرف نکل گیا۔ خوف کی اس فضا میں دونوں طرف سے ہی لوگ زخمیوں کو اٹھا کر بھاگنے لگے۔ گاڑیاں اسٹارٹ ہونے لگیں اور اندھیرے میں لوگ بھاگنے لگے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے دورانیے میں وہ میدان ایک الم ناک انجام کا منظر پیش کر رہا تھا۔ بس چیخ و پکار خوف و ہراس اور زخمیوں کی کراہیں تھیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی مر گیا ہے یا نہیں لیکن یہ میدان بھی ہمارے گاؤں کے لوگوں نے مار لیا تھا۔ میں دور کھڑا شاہ زیب کے چہرے پر پھیلی عجیب سی فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ رہا تھا۔ لوگ اپنے اپنے زخمیوں کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ اب میرا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ میں تیز قدموں کے ساتھ اندھیرے میں اس سمت بڑھ گیا جدھر میری بائیک کھڑی تھی۔ وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ کوئی اسے اٹھا کر نہیں لے گیا تھا۔ میں نے پسٹل اپنی ڈب میں رکھنے سے پہلے اس کا میگزین دیکھا اسے نکال کر دوسرا لگایا۔ پھر اُڑس کر بائیک نکال کر وہاں سے چل دیا۔ اندھیرے میں ذرا فاصلے پر بائیک کی روشنی میں برگد کا درخت مسافر شاہ کا تھڑا اور اس کے قریب کھڑے چند لوگ ایک لمحہ کے لیے میری نگاہوں میں آئے اور پھر میں اپنے گاؤں جانے والے راستے پر ہو لیا۔

میلے والے میدان سے میرا گاؤں ''نورنگر'' دو کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ تمام راستا کچا تھا۔ راستے میں کھیت پڑتے تھے۔ کچھ تھوڑا سا چٹیل میدان تھا۔ پھر نہر کا پل' اس سے آگے پکی سڑک پر تقریباً ایک میٹر دور میرا گاؤں تھا۔ گاؤں کے وہ لوگ جو سواری پر تھے وہ نکل چکے تھے۔ جو پیدل تھے وہ اس راستے سے گاؤں جا رہے تھے۔ جتنے زخمی تھے وہ سب لے جائے جا چکے تھے۔ میں ان سب لوگوں کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک پگڈنڈی والا راستا اپنایا تا کہ کسی کی بھی نگاہوں میں آئے بغیر گاؤں پہنچ جاؤں۔ یہ محض احتیاط تھی میرے راستے میں کوئی بھی دشمن گھات لگا کر بیٹھا ہو سکتا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میدان میں بہت سارے لوگوں نے مجھے فائر کرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ یہ تو صبح ہی معلوم ہونا تھا کہ کس کا کتنا نقصان ہوا ہے۔ میں پوری توجہ سے پگڈنڈی پر بائیک لیے جا رہا تھا۔ چاندنی میں ہر شے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ جو راستا میں نے اپنایا تھا ممکن ہے اس پر بھی کوئی دشمن حملہ آور ہو سکتا تھا۔ میں نے ہیڈ لائٹ بند کی ہوئی تھی اور چاندنی ہی میں اندازے سے بائیک لیے جا رہا تھا۔ ورنہ دور ہی سے پتا چل جاتا کہ کوئی بائیک لیے جا رہا ہے۔ میرے سارے حواس جاگ رہے تھے۔ اچانک میری نگاہ ایک ہیولے پر پڑی جو ذرا فاصلے پر تیزی سے ایک کھیت میں گھس گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا میری نگاہوں سے بچنا چاہتا تھا یا میری تاک میں تھا جو جتنا محتاط ہوتا ہے اس کا لاشعور اسے اتنا ہی دھوکہ دیتا ہے۔ لمحہ بھر میں کئی سوال میرے ذہن میں در آئے میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ میری توجہ بٹ گئی۔ ایک طرف مجھے پگڈنڈی کا خیال کرنا تھا تو دوسری جانب مجھے اس ہیولے پر بھی نگاہ رکھنی تھی۔ میں اس کے قریب سے بھی گزر کر اس کے وار سے نہیں بچ سکتا تھا۔ ممکن ہے وہ ایک سے زیادہ لوگ ہوں۔ میں نے اچانک بائیک روکی اور کھال میں کھڑی کر دی۔ پھر تیزی سے اتر کر اس جگہ فصل میں گھس گیا جہاں میں نے ہیولہ دیکھا تھا۔ میں فصل میں گھستے ہی دم سادھ کر بیٹھ گیا۔ وہاں جو کوئی بھی مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے ہوتا وہ ردعمل میں ضرور کچھ نہ کچھ کرتا۔ میں نے پسٹل نکال کر اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا کسی بھی متوقع آہٹ کو سننے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ چند لمحوں تک کچھ نہ ہوا۔ ویسا ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سناٹا رہا۔ تبھی میں سوچنے لگا کہ کہیں یہ میری نگاہوں کا دھوکا تو نہیں ہے۔ میں اس پر غور کر ہی رہا تھا کہ مجھے خود سے چند قدم کے فاصلے پر ایک لمحے سے بھی کم وقت میں لشکارا محسوس ہوا۔ یوں جیسے کوئی جگنو چمکا ہو۔ پھر یہ چمک بار بار ہونے لگی۔ میں سرکتا ہوا آگے بڑھنے لگا تاکہ جان سکوں کہ یہ لشکارا کس کا ہے؟ پھر اچانک میں ٹھٹک گیا۔ وہ کوئی عورت تھی۔ بکھری ہوئی زلفیں شانوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ سیاہ لباس اور سفید گردن کے پاس زلفوں کے درمیان کان میں پڑا جھمکا چاندنی میں جگنو کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ میں نے مزید غور سے دیکھا تو خوش گوار حیرت میرے اندر پھیل گئی۔ وہ سرو قد طوائف زادی تھی۔ وہی جو کچھ دیر پہلے پنڈال میں جنونی انداز سے محو رقص تھی۔ وہ یہاں چھپی ہوئی تھی۔ بھگدڑ میں جس کا منہ جدھر آیا وہ اس طرف نکل گیا۔ وہ بھی اس طرف نکل آئی ہوگی۔ میں نے اس کے یہاں ہونے پر مزید غور نہیں کیا بلکہ سرکتا ہوا محتاط انداز میں کوئی آواز نکالے بغیر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ڈر یہی تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی چلانے نہ لگ جائے۔ میں نے ایک دم سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اس اُفتاد پر مچھلی کی مانند میرے ہاتھوں میں تڑپی اور پھسلنے کے لیے بے تحاشا مچلنے لگی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر مضبوطی سے جکڑ لیا۔ وہ گھوم کر میرے سینے سے آ لگی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ اس کا دل کتنی زور سے دھڑک رہا ہے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے میرے چہرے کو دیکھنے لگی۔ پھر اس کی نگاہ میرے ہاتھوں میں سیاہ پسٹل پر پڑی۔ تب اس کی ساری زور آزمائی دم توڑ گئی۔

''ڈرو مت' میں تمہارا دشمن نہیں ہوں تم محفوظ ہاتھوں میں ہو۔'' میرے کہنے پر وہ ایک دم سے ساکت ہوگئی۔ میں نے اس کے منہ پر سے اپنا ہاتھ ہٹایا تو وہ گھگھیائے ہوئے انداز میں بولی۔

''ک..... کک..... کون ہو تم.....؟''

''میں اگر تمہیں اپنا تعارف کرا بھی دوں تو کیا تم مجھے پہچان لوگی۔ ہاں یہ جان لو کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔''

''لیکن..... دوست..... بھی تو نہیں ہو.....!'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ یہاں کیوں چھپی ہوئی ہو؟'' میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''مجھے میرے لوگوں تک پہنچا دو، وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔'' اس نے کافی حد تک خود پر قابو پاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہاں میدان میں تو اب کوئی بھی نہیں ہے۔ جس کا جدھر منہ ہوا وہ ادھر نکل گیا ہے، جیسے تم یہاں پر ہو اگر میری بات کا یقین نہ آئے تو چلتے ہیں، خود ہی دیکھ لو۔'' میں نے چاندنی میں اس وحشت زدہ ہرنی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ میرے ساتھ لگی دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے لبوں پر لگی لپ اسٹک اس کے دائیں گال تک پھیل گئی تھی۔ اس کا سینہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ تبھی اسے احساس ہوا کہ وہ میرے کس قدر قریب ہے۔ اس لیے ذرا سا کسمسا کر وہ مجھ سے الگ ہوگئی۔ میں نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ مگر اس کے بدن کی ملائمت میرے بدن سے لپٹ گئی۔ کافی حد تک عیاں اور تھوڑا بہت نہاں چاندنی میں نہایا ہوا بھیگا بدن میرے سامنے تھا۔ مجھے یوں دیکھتا ہوا پا کر وہ خود میں سمٹنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ تب میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے پوچھا۔

''یہیں کھڑی سوچتی رہو گی یا چلو گی میرے ساتھ۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''تم خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ میدان میں کوئی نہیں ہے۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''تو پھر چلو میرے ساتھ گاؤں' صبح دیکھیں گے تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟'' میں نے کہا اور اس کا ردعمل اس کے وحشت زدہ چہرے پر دیکھا۔ جہاں بے یقینی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں نے چند لمحے اس کا انتظار کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے اپنا پسٹل واپس ڈب میں رکھا اور کچھ کہے بنا پلٹ کر فصل سے باہر آ گیا۔ میں نے ایک طرف گری ہوئی بائیک کو اٹھایا۔ میں نے لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر وہ میرے ساتھ جانا چاہتی ہے تو ٹھیک اگر نہیں تو کون سا میرا اس کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسے چھوڑ کر اپنی راہ لوں گا۔ میں اس کی وجہ سے اپنی راہ کھوٹی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بائیک اسٹارٹ کر کے اس کی جانب دیکھا۔ وہ بت بنی وہیں ساکت کھڑی تھی۔

''اگر آنا ہے تو آ جاؤ' میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے گیئر لگا دیا۔ اس نے پھر بھی حرکت نہ کی تھی۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی اور بائیک بڑھا دی۔ اگرچہ یہ غلط حرکت تھی کہ میں اس کو یوں ویرانے میں تنہا چھوڑ کر چلا جاتا مگر وہ مجھ پر اعتماد کرتی تبھی نا، اب میں اس کی منت سماجت کرنے سے تو رہا، بھاڑ میں جائے مجھے کیا۔ میں ابھی چند گز کے فاصلے پر گیا ہوں گا کہ وہ چیختے ہوئے بولی۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو خدا کے لیے ٹھہرو.....!'' اس نے خوف بھری ہذیانی صدا لگائی تھی۔ میں رک گیا تو وہ بھاگتی ہوئی میرے قریب آئی اور بائیک پر پیچھے بیٹھ گئی۔ میں نے گیئر لگا کر بائیک بڑھا دی۔ وہ میرے ساتھ چپک کر یوں بیٹھ گئی کہ اس کے بدن میں ہونے والی لرزش کو میں بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ تب میں نے پوچھا۔

''اب کیا ہوا.....؟''

''بس تم چلو۔'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا تو میں استہزائیہ انداز میں بولا۔

''تو پھر یوں کرو کہ مجھے مضبوطی سے پکڑ لو۔ راستا بہت دشوار ہے۔''

''اب اس سے زیادہ کیا مضبوطی سے پکڑوں۔'' اس نے تلخ انداز میں کہا تو میرا قہقہہ نکل گیا۔ اس کا بدن گیلا تھا۔ ایک عجیب لذت انگیز مہک تھی جو مجھے مدہوش کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ میں چند لمحے تو اس کے سحر میں رہا۔ پھر سر جھٹک کر راستا دیکھنے لگا۔ وہ خوف سے لرزتا ہوا بدن لیے مجھ سے چمٹی ہوئی تھی اور میں گاؤں تک پہنچ جانے کے لیے بے تاب تھا۔ جب میں نہر کا پل پار کر کے پکی سڑک پر آیا تب بھی وہ مجھ سے یونہی چپکی رہی۔ میرے ذہن میں سوال ٹھوکریں مارنے لگا کہ وہ اتنی ہی خوف زدہ ہو گئی ہے کہ اب تک اس کا خوف دور نہیں ہوا یا محض میرا امتحان لے رہی ہے۔ دونوں صورتوں میں ''کیوں'' میرے دماغ میں چپک کر رہ گیا۔

میں نے اپنے گھر کے سامنے بائیک روک دی۔ لوہے کا بیرونی گیٹ اندر سے بند تھا۔ میں نے ہارن دیا تبھی اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

''ہم کہاں آ گئے ہیں؟''

''یہ میرا گھر ہے اور یہاں میرے علاوہ فقط میری ماں رہتی ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ کھیت سے گھر تک کے سفر میں اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ پھر گاؤں میں آ جانے کے باعث اس کا اعتماد بحال ہو جانا فطری بات تھی۔ جن کے پاس سواری تھی، وہ بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پہلے آ چکے تھے اور پیدل آنے والے ابھی تک آ رہے تھے۔ گاؤں کے لوگ بھی زخمی ہوئے تھے۔ اس باعث گاؤں میں تھوڑی بہت ہلچل بھی تھی۔ چوک سے گزرا تو وہاں بھی کافی لوگ جمع تھے۔ پورے علاقے کے لیے میرے خیال میں یہ رات بھاری تھی۔ جس کسی کا زخمی نہیں ہوا ہوگا وہ سوچتا ضرور ہوگا۔ میں انہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ اندر سے بولٹ کھلنے کی آواز آئی اس کے ساتھ ہی گیٹ کھل گیا۔ ماں نے پہلے مجھے دیکھا پھر جیسے ہی اس کی نگاہ میرے پیچھے بیٹھی اس سروقد طوائف زادی پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ استعجاب اتر آیا۔

''کون ہے یہ؟'' اماں نے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کڑک انداز میں پوچھا۔ اماں کا اس طرح پوچھنا بنتا تھا۔ اس حسینہ کا لباس میری اماں کی نگاہوں میں نہیں جچنے والا تھا۔

''اماں! یہ ایک ناچنے والی طوائف ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے چھپ رہی تھی۔ میں اسے تحفظ دے کر یہاں لے آیا ہوں۔ صبح ہوتے ہی چلی جائے گی۔'' میں نے صاف لفظوں میں ساری صورت حال بتا دی کیونکہ میری ماں ہی وہ دنیا کی واحد ہستی تھی جس کے سامنے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا تھا اور نہ ہی میں نے جھوٹ بولنے کی کبھی کوشش کی تھی۔ میں نے سچ بتا کر اماں کی طرف دیکھا۔ اماں اس سروقد طوائف کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ پھر نجانے اس کے من میں کیا آیا اس نے گیٹ کا ایک پٹ وا کرتے ہوئے کہا۔

''چل آ جا اندر۔''

میں بائیک لیے اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے بائیک روک کر بند کر دی تو وہ نیچے اتر آئی۔ دو سیڑھیاں چڑھنے کے بعد بڑا سارا صحن تھا اور پھر اس سے آگے دالان تھا۔ اماں ہمارے پاس سے گزر کر اندر کی جانب بڑھ چکی تھیں۔ میں دالان میں گیا تو وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ گئی۔ تبھی اماں کمرے میں سے نکلی اس کے ہاتھوں میں ایک زنانہ جوڑا تھا جو وہ اس طوائف زادی کی جانب بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''جاؤ پہلے نہا کر یہ کپڑے پہنو پھر کوئی بات کرتے ہیں۔''

تبھی میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کا سیاہ لباس کہیں کہیں سے پھٹ چکا تھا۔ پاؤں میں جوتا بھی نہیں تھا۔ اس کی گوری پنڈلیوں پر پڑی خراشوں سے خون رس کر سوکھ چکا تھا۔ وہ جوڑا پکڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تو اماں نے دیوار کے ساتھ پڑے اپنے سلیپروں کی جانب اشارہ کیا تو وہ انہیں پہن کر اس جانب بڑھ گئی جدھر غسل خانہ تھا۔ تبھی میں نے اماں کی توجہ بٹانے کے لیے کہا۔

''اماں بڑی سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔''

''کھانا موجود ہے جب تک وہ نکلتی ہے میں گرم کر دیتی ہوں۔ تو بھی اپنا حلیہ ٹھیک کر جا کے لگتا ہے اس بار میلے میں کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔'' آخری فقرہ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں اماں لڑائی ہو گئی تھی کافی بندے زخمی ہو گئے ہیں۔ اصل میں یہ پھڈا.....!''

''تم نے کتنے بندوں کو زخمی کیا ہے کوئی مرا تو نہیں؟'' اس نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

''پتا نہیں صبح پتا چلے گا۔'' میں نے گول مول بات کرنا چاہی۔ ''وہ شاہ زیب کی جان کو آئے تھے میں نہ ہوتا تو شاید وہ آج زندہ نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بچتا.....بس اسی وجہ.....!''

''تجھے معلوم ہے نا کہ تو مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔''اماں نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو اماں پھر مت پوچھو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔''میں نے سر کھجاتے ہوئے آہستگی سے کہا تو وہ میری طرف چند لمحے دیکھتی رہیں پھر کچن کی جانب بڑھ گئیں۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور گیٹ بند کرنے کے لیے چلا گیا۔ صحن کے کونے میں بنے باتھ روم میں نہانے کی آواز چھن کر باہر آ رہی تھیں۔ میں نے ان پر توجہ نہیں دی بلکہ باہر والے کمرے میں چلا گیا۔

میں تازہ دم ہو کر آیا تو دالان میں پڑی چارپائیوں پر اماں نے کھانا رکھ دیا تھا۔ وہ سروقد طوائف زادی ایک دوسری چارپائی پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر دیہاتی عورتوں کا لباس خوب جچ رہا تھا۔ بلب کی پیلی روشنی میں وہ بھیگی بھیگی ہوئی خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''میں نے اس کے پاس دھری دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نام تو میرا سوہنی ہے اب تم جس نام سے چاہو پکار لو۔''اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ تو ایک لمحے کے لیے اس کا سادہ سا بغیر میک اپ کا چہرہ مجھے پرکشش لگا۔ دل چاہا کہ اسے غور سے دیکھوں لیکن اماں کا احساس کرتے ہوئے میں نے جلدی سے ایک روٹی نکال کے چنگیر میں رکھی، اس پر ذرا سا سالن رکھا اور اطمینان سے کھانے لگا۔ جی بھر کے کھانے کے بعد میں نے کچن کی طرف دیکھا۔ اماں پیالوں میں چائے ڈال رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ چائے لے کر آ گئیں۔

''اے لڑکی' کھانا کھا لیا تو نے؟''اماں نے سوہنی کے سامنے پڑی خالی چنگیر کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے سے پوچھا۔

جی۔''وہ سر ہلاتے ہوئے دھیرے سے منمنائی تو اماں نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''لو یہ چائے پیو اور وہاں اس کمرے میں میرے ساتھ آ کر سو جانا۔ جو باتیں بھی کرنا ہوں وہ صبح کر لینا۔''

''جی اچھا۔''اس نے پھر منمنانے والے انداز میں کہا اور پیالہ پکڑ لیا۔ میں اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس دوران اماں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میری نگاہوں سے پنڈال میں ناچنے والی وہ طوائف زادی گم ہو چکی تھی۔ جس کے نقوش دیکھنے کی خواہش میرے دل میں اٹھی تھی۔ اب وہ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر موجود تھی۔ اس وقت وہ ایک دیہاتی الہڑ مٹیار دکھائی دے رہی تھی۔ بھیگے ہوئے سیاہ گیسو' بڑی بڑی کاجل بھری زندگی سے بھرپور آنکھیں' بھرے بھرے گال' ستواں ناک میں سونے کی ہلکی سی تار تھی۔ رس بھرے گلابی ہونٹ' جن کی ہلکی ہلکی لکیریں دور ہی سے دکھائی دے رہی تھیں۔ شفاف گردن' بھاری سینہ اور پتلی سی کمر' دفعتاً مجھے خیال آیا کہ اس کی پنڈلیاں زخمی تھیں۔

''اماں نے دوا دی تھی وہ لگا لی تھی میں نے.....!''وہ اچانک بولی تو میں حیران رہ گیا۔ اس نے تو میری نگاہیں پڑھ لیں میں ابھی اس حیرت سے نکلا نہیں تھا کہ وہ بولی۔''لڑکپن سے جوانی تک یہی سیکھا ہے کون کس نگاہ سے ہمیں دیکھتا ہے۔''اس کے لہجے میں اعتماد اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ تبھی میں نے خوش گوار انداز میں پوچھا۔

''اچھا ہے' تم نے مجھے بتا دیا خیر۔ اب جاؤ اور جا کر اماں کے پاس سو جاؤ۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''دل تو چاہتا ہے کہ ابھی جا کر سکون سے سو جاؤں مگر مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''ہاں اجنبی جگہ پر ایسا ہوتا ہے۔ مگر تم اماں کے پاس جا کر لیٹو گی تو نیند آ جائے گی۔ اب تم میرے گھر میں ہو کسی بھی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہیے تمہیں۔'' میں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''بات یہ نہیں ہے' میرے ساتھ کے لوگ نجانے کہاں ہوں گے۔ ان کے ساتھ کیا بیتی؟ وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ پتا نہیں وہ لوگ اس وقت کہاں ہوں گے؟'' وہ ایک ہی سانس میں تیزی سے کہہ گئی۔

''صبح ہونے میں چند گھنٹے ہیں۔ تم آرام کرو، دن نکلتے ہی سب معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہیں خود ان کے پاس چھوڑ آؤں گا۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میری چائے ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے خالی پیالی وہیں رکھ کر اٹھ گیا۔ اٹھتے ہوئے جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں میں ایسا بہت کچھ تھا جس کے بہت زیادہ مفہوم نکالے جا سکتے تھے۔ مگر میں کوئی ان پڑھ دیہاتی نوجوان تو نہیں تھا جو اس کی نگاہوں کو نہ سمجھ پاتا۔ وہ انہی اداؤں ہی سے تو دوسروں کو لوٹ لینے کا ہنر جانتی تھی۔ میں نے ایک ہلکی سی مسکان کے ساتھ اس کی نگاہ کا سحر خود پر سے توڑا اور باہر والے کمرے میں جا کر لمبی تان کر سو گیا۔

مجھے یہی لگا کہ جیسے ایک جھپکی سی آئی ہے، آنکھ کھلی تو صبح کا اجالا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ سورج ابھرنے میں ابھی وقت تھا۔ والان کے پاس اماں جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھی اور سوہنی اماں والے کمرے میں چارپائی پر بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور معمول کے مطابق ڈیرے پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ دعا مانگتے ہوئے اماں نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر دعا مانگنے لگی۔ میں نے بائیک اٹھائی اور ڈیرے کی جانب چل دیا۔ جہاں بھیدہ اپنے کام میں مصروف تھا۔

بھیدہ چاہے میرا ملازم تھا لیکن میں نے اسے ڈیرے کا مالک بنایا ہوا تھا کہ وہ جو چاہے سو کرے۔ وہ میرے بچپن کا دوست تھا۔ پرائمری تک میرے ساتھ پڑھا تھا۔ پھر غربت کی وجہ سے نہ پڑھ سکا اور نہ کچھ کر سکا۔ اب جبکہ وہ جوان ہو گیا تو میں نے اس کے معاملات کی ذمہ داری لے لی۔ وہ ہی نہیں میں بھی بے فکر ہو گیا تھا۔ ہم اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ ڈیرے پر حویلی کا خاص ملازم فخرو آ گیا۔

''بولو کیا بات ہے؟'' میں نے ڈیرے کے صحن میں پڑی چارپائی پر اسے بٹھا کر اسکے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

''تمہیں سردار شاہ دین نے حویلی بلایا ہے۔'' اس نے اپنا پیغام دے دیا۔

''اتنی صبح صبح' خیریت تو ہے نا۔'' میں نے پوچھا۔

''سردار جی تو ساری رات سوئے ہی نہیں ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے پیغام دینے کا کہہ کر گئے ہیں شاید ان کا یہ خیال ہو کہ تم کسی اور طرف نہ نکل جاؤ' دن چڑھے آ جانا۔'' اس نے تفصیل سے سمجھا دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں یہاں سے گھر جاتے ہوئے آ جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر میں اپنے کام میں لگ گیا۔

پیغام دے کر فخرو چلا گیا۔ مجھے امید تھی کہ بھیدہ کوئی تبصرہ کرے گا مگر خلاف معمول اس نے کوئی بات نہیں کی بلکہ اپنے کام میں مگن رہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

جبکہ میں دھیرے سے زیرلب ہنس دیا۔ میں نے ایک رات پہلے خواب دیکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ اسی خواب کی تعبیر کی شروعات ہیں۔ شاہ دین جیسے بندے کا مجھے بلانا، انتہائی معنی خیز تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں ایک جنگل میں ہوں۔ ہر طرف سے خوف ناک آوازیں آرہی ہیں۔ یکا یک مختلف جانور میرے سامنے آگئے۔ ان میں سے کئی مجھ پر حملہ کرنے لگے۔ میں ان سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ میں لہولہان ہوگیا۔ اچانک جنگل جلنے لگا۔ وہ سب جانور ڈر کے مارے بھاگنے لگے کچھ میرے پیچھے لگ گئے۔ میں جنگل سے نکلنے کی کوشش میں لہولہان ہورہا تھا۔ پھر اچانک میں جنگل سے باہر آگیا۔ سبھی جانور جنگل ہی میں رک گئے۔ تبھی میری آنکھ کھل گئی تھی۔ اس خواب کا ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں نقش ہوگیا تھا۔ میں چند لمحے اس کے سحر میں رہا اور پھر اٹھ کر اپنے کام میں لگ گیا۔

☆.....☆.....☆

صبح کی تیز چمکتی ہوئی دھوپ میں امرتسر کے راجہ سانسی ایئرپورٹ پر ایئرانڈیا کا سفید اور سرخ رنگ کا طیارہ لینڈ ہوچکا تھا۔ مسافر سیڑھی کے ذریعے اتر رہے تھے۔ ان میں جسپال سنگھ عرف جسی بھی شامل تھا۔ جیسے ہی اس کے بھارت کی سرزمین پر قدم پڑے، اس کے اندر نفرت کا الاؤ دہکنے لگا۔ اس دہکتی ہوئی نفرت نے ایک بار تو اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اٹھائیس برس پہلے جو چنگاری اس کے بدن میں آن پڑی تھی، وقت نے اسے الاؤ بنا دیا تھا۔ وینکوور سے امرتسر تک کے طویل سفر نے اسے تھکا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے ذہن میں خنجر کی مانند پیوست یہ سوال اسے لہولہو کررہا تھا کہ اس کا دیس کون سا ہے؟ بھارت کا پنجاب جہاں وہ پیدا ہوا تھا یا پھر کینیڈا کا وینکوور جہاں اس نے ہوش سنبھالا تھا۔ اس کی فضاؤں میں پرورش ہوئی اور ایک سنہرا مستقبل اس کا منتظر تھا یا پھر دونوں جگہیں ہی اس کا دیس نہیں ہیں اور وہ محض ایک بے وطن مسافر ہے۔

امیگریشن کے مراحل سے گزرنے کے بعد جب وہ اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ باہر آیا تو بھارت کی ہواؤں میں اس نے پہلا طویل سانس لیا۔ یہ ہوا جو اس کے سینے میں اتری تو اسے اپنے اندر مزید آگ بھڑکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ وہ ان ہواؤں میں اپنے اجداد کے لہو کی مہک محسوس کررہا تھا۔ اس کا دوران خون بڑھ گیا۔ غصہ دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ اسے یوں لگا جیسے کچھ دیر اس کی یہی حالت رہی تو دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ اس نے خود پر قابو پانے کے لیے آنکھیں بند کرلیں اور خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ انہی لمحات میں اس کے کانوں میں آواز گونجی۔

''جسپال سنگھ جسی جی' ست سری اکال' کہاں کھوئے ہوئے ہو۔''

اس نے فوراً ہی اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے خوبرو نوجوان انوجیت سنگھ ڈھلوں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے سر پر گہرے نیلے رنگ کی پگڑی' چیک دار شرٹ اور سیاہ پتلون کے ساتھ تلے والا سنہری کھسہ پہنا ہوا تھا۔ جسپال سنگھ نے اسے صرف تصویروں ہی میں دیکھا تھا اور ایسا ہی انوجیت کے ساتھ بھی تھا۔ دونوں ہی پہلی بار مل رہے تھے جبکہ بہت پہلے وہ ذہنی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب آچکے تھے۔ ان کی ملاقات کا ذریعہ کمپیوٹر بنا تھا۔ پھر فون پر رابطے نے ان کے درمیان گہرا ہی نہیں اٹوٹ تعلق قائم کردیا تھا۔

''ست سری اکال انوجیت۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا مگر اپنی لرزتی ہوئی آواز پر قابو نہ رکھ پایا۔ جسے انوجیت نے محسوس کرتے ہوئے پریشان لہجے میں پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''کیا بات ہے جسپال تو بہت جذباتی ہو رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے جسپال کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''ہاں انوجیت' میں واقعی ہی جذباتی ہو رہا ہوں۔تم میرے محسوسات کا اندازہ نہیں کر سکتے شاید۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

''چل' چلتے ہیں ہمارے پاس بہت وقت ہے باتیں کرنے کے لیے۔'' انوجیت نے اس کا سوٹ کیس اور بیگ لیے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دونوں پارکنگ میں گئے کچھ ہی دیر بعد وہ نئے ماڈل کی فور وہیل جیپ میں ائیرپورٹ کے احاطے سے نکلتے ہوئے امرتسر شہر کی جانب چل پڑے۔

''اچھا بتا پہلے بریک فاسٹ شکھے گا یا......!'' انوجیت نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ تاکہ جسپال خود ہی بتا دے کہ اس کا پروگرام کیا ہے۔

''ابھی کچھ دیر پہلے جہاز میں ناشتا کیا ہے ابھی کچھ بھی کھانے کو جی نہیں کر رہا ہے۔تو سیدھا' شری دربار صاحب لے چل پھر اس کے بعد سب کچھ دیکھتے ہیں۔'' جسپال سنگھ نے اس قدر اعتماد سے کہا کہ انوجیت نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ چند لمحے پہلے والا جسپال نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر سختی کی بجائے فطری نرماہٹ تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنا سارا دھیان ڈرائیونگ پر لگا دیا۔

ہوٹل کے سامنے پارکنگ میں گاڑی لگانے کے بعد وہ دونوں بائیں طرف سے دربار صاحب کی جانب بڑھنے لگے۔ اس طرف کا داخلی دروازہ پار کرتے ہی سامنے پرکرما (مقدس راستا جو تالاب کے اردگرد ہے) سرودو (مقدس تالاب) اور ہرمندر صاحب تھا۔ دائیں جانب اکال تخت اپنی پوری آب و تاب سے دکھائی دے رہا تھا۔ چمکتی ہوئی دھوپ میں ہر وہ منظر واضح دکھائی دے رہا تھا جو اس نے فلموں اور تصویروں ہی میں دیکھا تھا۔ اس وقت وہ سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ بسنتی رنگ کا جھنڈا صاحب نیلے آسمان میں لہرا دیا تھا۔ وہ اس سارے منظر کو محسوس کرتے ہوئے اپنے اندر اتارنے کی کوشش میں تھا۔ کیونکہ سکھ پنتھ کے مطابق یہی وہ مقام ہے جسے وہ اپنا روحانی مرکز مانتے ہیں اور روح کی غذا یہیں سے لیتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہاں آ کر وہ روحانی سکون محسوس کرتا' جس کی وہ توقع کر رہا تھا لیکن بجائے شانت ہو جانے کے اس کے اندر موجود الاؤ کے بھڑکنے کی آواز مزید بڑھ گئی۔ وہ چونک کر اپنے آپ پر حیران ہونے لگا کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہونے لگا ہے؟ اس نے گھوم کر اپنے اردگرد دیکھا۔ اسے ہر طرف سکون دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اس کے اندر یہ نہ سمجھ میں آنے والی منفرد بے چینی کیوں در آئی ہے؟ سامنے تالاب کا نیلا چمکتا ہوا پانی' ہرمندر صاحب کا طلائی رنگ اور اکال تخت کا سفید اور زرد رنگ چمک رہا تھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ کچھ تالاب میں نہا رہے تھے۔ ہر طرف سکون تھا لیکن اس کے اندر جوار بھاٹا کیوں اٹھا، کیوں اس کے اندر آگ بھڑکنے لگی تھی۔

وہ ہرمندر صاحب کی جانب رخ کیے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ اس نے خود کو پرسکون کرنے کے لیے آنکھیں بند کر لیں تبھی اس کے کانوں میں گولیاں چلنے کی تڑتڑاہٹ گونجی' اس نے فوراً ہی گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور پاگلوں کی مانند اردگرد دیکھنے لگا۔ مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر طرف ویسا ہی سکون تھا، گولیوں کی تڑتڑاہٹ بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بے چین ہو گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے لگا ہے۔ اس نے پھر اسی کیفیت کو محسوس کرنے کے لئے دوبارہ آنکھیں بند کی تو نہ صرف گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں بلکہ لوگوں کی ہذیانی انداز میں چیخ و پکار بھی سنائی دینے لگی۔ ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ایسے کہرام کی آواز جس میں بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں بلکہ کانوں میں پڑنے والی آوازوں پر دھیان دینے لگا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ چیختے چلاتے لوگ' عورتوں اور بچوں کی کراہیں' توپوں سے گولے داغنے اور پھٹنے کی آوازیں۔ اچانک اس کی بند آنکھوں کے سامنے جو اندھیرا تھا وہ ہٹ گیا اس کی جگہ منظر ابھر آیا۔ پرکرما پر گری ہوئی لاشیں' موت کے منہ میں جاتے ہوئے سسکتے' سڑتے مچلتے جسم' خون ہی خون' وہ پرکرما جو دودھ سے دھویا جاتا ہے، وہ خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ شفاف تالاب کا پانی خون سے گدلا ہو چکا تھا' مچھلیاں حیران تھی کہ انسانی لاشیں کیسے تیر رہی ہیں؟

☆ ☆ ☆

یکم جون، بیساکھی کے تہوار کا دن، گورو گوبند سنگھ کے خالصہ کا دن' جس دن اس نے سکھ پنتھ کو حتمی صورت دی تھی۔ ہر سکھ کو سنگھ اور ہر سکھنی کو کور کا خطاب دیا تھا۔ یہ اجتماع اس دن کی یاد میں تھا۔ اس دن سکھوں کا سب سے بڑا اجتماع دربار صاحب میں ہوتا تھا۔ بھارت کے علاوہ پوری دنیا سے سکھ آتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی عورتیں اور بچے بھی مذہبی عقیدے کے لیے آتے۔ ساری قیام گاہیں بھر جاتیں' ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ جبکہ یہ منظر تین جون انیس سو چوراسی کے بعد کا تھا۔ سکھ پنتھ کے پانچویں گرو ارجن کی شہادت کا دن، جب اندرا گاندھی حکومت نے دربار صاحب پر فوج کشی کی تھی۔ ہر طرح کی دستیاب گنوں' آرٹلری آرمڈ فوج' توپ خانہ اور ٹینک تک چڑھا دیے۔ نیوی کے غوطہ خوروں کے ساتھ ایسے ٹروپس کو بھی آزمایا گیا جو بے رحمی سے قتل کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے ان بے گناہ سکھوں پر جے ہند کے نعرے لگاتے بھارتی فوجیوں نے برہمنی ذہنیت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی بربریت کا وہ مظاہرہ کیا جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور اسی اجتماع میں جسپال سنگھ کا باپو سردار کلوندر سنگھ بھی آیا ہوا تھا۔ پھر وہ کبھی لوٹ کر واپس نہیں گیا۔ نہ اس کی لاش ملی اور نہ ہی کوئی اتا پتا ملا۔ کیونکہ دربار صاحب کے جاں بحق بے جان لاشوں کو کچرے کی مانند کسی انجان ویرانے میں لے جا کر آگ لگا دی گئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی جسپال کے دماغ میں نفرت کا الاؤ تڑتڑانے لگا۔ وہ اس قدر بے چین ہو گیا کہ اس کا وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ نجانے کیوں اسے سکون ملنے کی بجائے نفرت کی آگ مزید بھڑک اٹھی تھی۔

''جسپال' تُو خیریت سے تو ہے نا۔'' انوجیت کی جھنجھناہٹ بھری آواز اسے کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ اسے بات سمجھنے میں چند لمحے لگے۔ تبھی اس نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''ہاں' میں ٹھیک ہوں انوجیت۔''

''تو پھر یہ تمہاری حالت ایسی کیوں'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا تو جسپال نے کہا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے' چل انوجیت..... آ..... چلیں واپس.....!'' اس نے اضراری انداز میں انوجیت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''واپس؟'' انوجیت کو ایک جھٹکا لگا۔ اس نے شدید حیرت سے پوچھا۔ ''یار' ابھی تو آئے ہو' ابھی تو ادھر اکال تخت..... اور ادھر لنگر خانہ..... ہرمندر صاحب..... ان سب کی.....''

''نہیں نا' ابھی نہیں..... تم چلو واپس' پھر کبھی سہی..... چلو۔'' اس نے سختی سے یوں کہا کہ ایک لمحے کو انوجیت کو لگا کہ جسپال سنگھ ڈر گیا ہے یا

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پھر وہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔ اس وقت وہ دونوں پر کر ما پر کھڑے تھے۔ انو جیت کو برا تو لگا لیکن اس کا اظہار نہ کر پایا۔ جسپال نے پلٹ کر اسی دروازے کا رخ کر لیا تھا جدھر سے وہ آئے تھے۔ انو جیت نے ایک لفظ نہیں کہا مگر اس کے چہرے پر جو تاثر پھیلا ہوا تھا اس میں کئی سوالوں کی بُنت موجود تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کہیں وہ ہرمندر صاحب کا اپمان تو نہیں کر رہا ہے۔ جسپال نے قدم بڑھا دیے تھے۔ اس لیے انو جیت کو بھی واپس پلٹنا پڑا۔ وہ دونوں خاموشی سے پارکنگ تک آئے۔ گاڑی لی اور اس میں بیٹھ گئے انو جیت نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''اب بتاؤ کہاں جانا ہے؟'' اس کے لہجے میں غصہ چھلک رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نرم سی آواز میں انجن جاگ اٹھا۔

''سیدھے پنڈ جانا ہے۔'' اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے گاڑی بڑھا دی۔ وہ آہستہ روی سے رش والے علاقے سے گاڑی لے کر چلا۔ امرتسر شہر سے نکلتے ہوئے ان کے درمیان خاموشی رہی۔ تاہم شہر کے کنارے تک آ جانے پر اس نے پوچھا۔

''جسپال گاؤں جانے کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک ترن تارن اور نکودر کی طرف سے اور دوسرا جالندھر کی طرف سے بتا کس طرف سے چلیں۔''

''یار ہمیں اپنے پنڈ اوگی جانا ہے۔ جس طرح سے بھی چلو راستا تو تم ہی جانتے ہو۔'' جسپال کو انو جیت کی بات کرنا اچھا لگا تھا۔ اسے خود پر چھائی ہوئی حالت خاصی کم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''یار وقت تو دونوں طرف سے ایک جیسا ہی لگے گا۔'' اس نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔ جسپال چاہتا تھا کہ وہ مزید باتیں کرے اس لیے پوچھا۔

''تو بتا یہ دونوں راستے کیسے ہیں پھر ان میں سے کوئی ایک چن لیں گے۔'' اس پر انو جیت نے لمبا ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

''یہاں سے جالندھر تک بہت اچھی سڑک ہے کارپٹ روڈ سفر تھوڑا زیادہ ہے یہی کوئی پچاسی کلومیٹر کے لگ بھگ لیکن سکون سے پہنچ جائیں گے۔ پھر جالندھر سے مغرب کی طرف سیدھی سڑک اوگی کو جاتی ہے لیکن وہ اتنی اچھی نہیں یعنی جالندھر سے اوگی تک کا سفر۔''

''اور دوسرا راستا؟'' اس نے تیزی سے کہا۔

''ترن تارن تک سڑک ٹھیک ہے پھر ذیلی سڑکوں سے تلونڈی چوہدریاں کے قریب نہر پار کر کے بابا جوگی روڈ پھر وہاں سے کھتوان روڈ سے.....!''

''یار وہ پہلے والا سیدھا راستا ٹھیک ہے۔ چاہے اس میں زیادہ وقت لگ جائے گا۔ مگر یقین تو ہے نا کہ ہم پہنچ آسانی سے جائیں گے۔'' جسپال کے لہجے میں تازگی ابھر آئی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے خیر سناؤ..... پرشادے بارے کیا خیال ہے؟'' انو جیت نے گاڑی جالندھر کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یار کسی بھی ڈھابے پر روک لینا۔'' جسپال نے کہا اور سکون سے اپنا سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ جالندھر بائی وے پر چڑھ

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گئے۔کارپٹ روڈ کے باعث انجن کی آواز مدہم تھی۔تبھی انوجیت نے پوچھا۔

''جسپال'ایک بات پوچھوں۔''

اس کے یوں کہنے پر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اس کی جانب دیکھ کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

''انوجیت'ایک بات نہیں'تم ہر وہ بات پوچھو جو تمہارے ذہن میں ہے۔مجھے تیری بڑی ضرورت ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی بھی الجھن رہے۔''

''شاید میرے ذہن میں کوئی سوال نہ آتا جسپال مگر دربار صاحب میں جو تمہارا رویہ تھا نا اس نے وہ سارا تاثر ختم کر دیا جو میرے ذہن میں تمہارے لیے تھا۔تم وہ نہیں ہو جس کی دوستی میرے ساتھ نیٹ پر ہوئی تھی۔''اس کے لہجے میں کافی حد تک جذباتی پن تھا۔

''نہیں انوجیت میں وہی ہوں اور جتنا میں نے تمہیں بتایا ہوا ہے وہ جھوٹ نہیں حقیقت ہے۔اب سنو میں نے تمہیں یہی بتایا ہے نا کہ میرا تعلق اوگی سے ہے لیکن یہ اب تک نہیں بتایا کہ میرا تعلق کس خاندان سے ہے۔میرا سارا خاندان انیس سو چوراسی کے سکھ ہولوکاسٹ میں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔تم یہ جانتے ہو کہ میں پہلی بار بھارت آیا ہوں۔لیکن تمہارے اوگی پنڈ میں میری حویلی'میری زمینیں اب بھی میری راہ تک رہی ہیں کہ میں ہی اپنے خاندان کا آخری فرد بچا ہوں۔''

''تم پیدا تو یہیں اوگی میں ہوئے.....تو.....!''انوجیت نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں'میں یہیں اوگی میں پیدا ہوا لیکن میں نے شعور و نیکوور میں سنبھالا۔''یہ کہہ کر جسپال چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔''میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔ممکن ہے اس میں تمہارے لیے کوئی نئی بات ہو جہاں بھی تمہیں لگے کہ یہاں الجھن ہے تو مجھ سے پوچھ لینا۔''

''ٹھیک ہے کہو۔''اس نے سڑک پر نگاہیں جمائے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جب شری دربار صاحب پر اندرا حکومت نے فوج کشی کی تھی'میرے باپو میری پیدائش پر مانی گئی منت اُتارنے سیوا کار کے لیے وہیں دربار میں موجود تھے لیکن ساکا (سانحہ) چوراسی میں ہی میرے دو تائے'ایک چاچا ان کی بیویاں بچے اور میری ایک پھوپھو سمیت سب کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔اس گاؤں اوگی میں انہیں مارا گیا اور انہیں جلایا گیا۔میری ایک پھوپھو بچ گئی تھی جو ساتھ والے گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی۔اس نے آ کر مجھے سنبھالا۔میں اس وقت محض ایک سال کا تھا شاید گوشت کا ایک بے ضرر لوتھڑا سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پھوپھو اپنے شوہر کے ساتھ مجھے وینکوور لے گئی۔وہیں نے میں شعور سنبھالا۔''

''تمہاری پھوپھو نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ وہ سب کیسے ہوا؟''انوجیت نے پوچھا۔

''اس نے ہمیشہ یہی کہا کہ بھارتی فوج اور اندرا حکومت نے مل کر سکھ قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔جس طرح انگریزوں نے مسلمانوں کو مذہبی طور پر نقصان پہنچانے کے لیے''مرزائی''تخلیق کیے تھے۔بالکل اسی طرح سکھوں کو ختم کرنے کے لیے مذہبی طور پر''نرنکاری'' سکھ تخلیق کیے۔جنہیں چانکیہ سیاست امرت دھاری سکھوں پر مسلط کر رہی تھی۔دوسری جانب امرت دھاریوں کو ختم کرنے کے لیے طاقت کا

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گئے۔ کارپٹ روڈ کے باعث انجن کی آواز مدہم تھی۔ تبھی انوجیت نے پوچھا۔

''جسپال' ایک بات پوچھوں۔''

اس کے یوں کہنے پر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اس کی جانب دیکھ کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

''انوجیت' ایک بات نہیں' تم ہر وہ بات پوچھو جو تمہارے ذہن میں ہے۔ مجھے تیری بڑی ضرورت ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی بھی الجھن رہے۔''

''شاید میرے ذہن میں کوئی سوال نہ آتا جسپال مگر دربار صاحب میں جو تمہارا رویہ تھا نا اس نے وہ سارا تاثر ختم کر دیا جو میرے ذہن میں تمہارے لیے تھا۔ تم وہ نہیں ہو جس کی دوستی میرے ساتھ نیٹ پر ہوئی تھی۔'' اس کے لہجے میں کافی حد تک جذباتی پن تھا۔

''نہیں انوجیت میں وہی ہوں اور جتنا میں نے تمہیں بتایا ہوا ہے وہ جھوٹ نہیں حقیقت ہے۔ اب سنو میں نے تمہیں یہی بتایا ہے نا کہ میرا تعلق اوگی سے ہے لیکن یہ اب تک نہیں بتایا کہ میرا تعلق کس خاندان سے ہے۔ میرا سارا خاندان انیس سو چوراسی کے سکھ ہولوکاسٹ میں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ تم یہ جانتے ہو کہ میں پہلی بار بھارت آیا ہوں۔ لیکن تمہارے اوگی پنڈ میں میری حویلی' میری زمینیں اب بھی میری راہ تک رہی ہیں کہ میں ہی اپنے خاندان کا آخری فرد بچا ہوں۔''

''تم پیدا تو یہیں اوگی میں ہوئے..... تو.....!'' انوجیت نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں' میں یہیں اوگی میں پیدا ہوا لیکن میں نے شعور ویانکوور میں سنبھالا۔'' یہ کہہ کر جسپال چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔ ممکن ہے اس میں تمہارے لیے کوئی نئی بات ہو جہاں بھی تمہیں لگے کہ یہاں الجھن ہے تو مجھ سے پوچھ لینا۔''

''ٹھیک ہے کہو۔'' اس نے سڑک پر نگاہیں جمائے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جب شری دربار صاحب پر اندرا حکومت نے فوج کشی کی تھی' میرے باپو میری پیدائش پر مانی گئی منت اُتارنے سیوا کار کے لیے وہیں دربار میں موجود تھے لیکن سانحہ (سانحہ) چوراسی میں ہی میرے دو تائے' ایک چاچا ان کی بیویاں بچے اور میری ایک پھوپھو سمیت سب کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اس گاؤں اوگی میں انہیں مارا گیا اور انہیں جلایا گیا۔ میری ایک پھوپھو بچ گئی تھی جو ساتھ والے گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی۔ اس نے آ کر مجھے سنبھالا۔ میں اس وقت محض ایک سال کا تھا شاید گوشت کا ایک بے ضرر لوتھڑا سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پھوپھو اپنے شوہر کے ساتھ مجھے ویانکوور لے گئی۔ وہیں نے میں شعور سنبھالا۔''

''تمہاری پھوپھو نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ وہ سب کیسے ہوا؟'' انوجیت نے پوچھا۔

''اس نے ہمیشہ یہی کہا کہ بھارتی فوج اور اندرا حکومت نے مل کر سکھ قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ جس طرح انگریزوں نے مسلمانوں کو مذہبی طور پر نقصان پہنچانے کے لیے ''مرزائی'' تخلیق کیے تھے۔ بالکل اسی طرح سکھوں کو ختم کرنے کے لیے مذہبی طور پر ''نرنکاری'' سکھ تخلیق کیے۔ جنہیں چانکیہ سیاست امرت دھاری سکھوں پر مسلط کر رہی تھی۔ دوسری جانب امرت دھاریوں کو ختم کرنے کے لیے طاقت کا

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

استعمال کیا گیا۔انہیں کاٹ کاٹ کر پھینکا گیا'انہیں زندہ جلایا گیا۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا ہی تھا؟ یا فقط تمہاری پھوپھو ہی کا خیال تھا۔''انوجیت نے چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔

''اب تک میں نے جو بھی ذرائع ابلاغ میں پڑھا۔معلومات لیں تیرے جیسے نیٹ دوستوں سے گپ شپ کی۔اس سے میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن انوجیت' صرف ہمارے خاندان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اوگی میں اور کوئی پورا خاندان اس قدر بے رحمی سے نہیں مارا گیا۔ہمارا خاندان ہی کیوں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے میری پھوپھو نے نگاہیں چرائیں اس لیے میرے دماغ میں یہ بات نوجوانی ہی سے تھی کہ میں اس حقیقت سے پردہ چاک کروں گا۔میری پھوپھو نے مجھے کبھی یہاں بھارت آنے کی اجازت نہیں دی' مگر اب وہ ''پوری'' ہوگئی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگیا۔

''اوہ! بہت افسوس ہوا۔''انوجیت کے لہجے میں بھی دکھ تھا۔

''ہاں' انوجیت وہ میری پھوپھو ہی نہیں میری ماں بھی تھیں میرا باپ بھی وہی' میری دوست' میری محسن میرا سب کچھ تھیں۔''جسپال نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''ان کی کوئی اولاد ہوئی۔''اس نے پوچھا۔

''ہاں' دو بیٹے اور ایک بیٹی مجھے بڑا بھائی مانتے ہیں۔اپنا سارا کاروبار انہی کے سپرد کر کے آیا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے چند لمحے خاموشی اختیار کرنے کے بعد کہا۔''میں نے وینکوور میں پڑھا۔اپنا بزنس شروع کیا اور آج پچیس سال بعد ایک مضبوط بزنس انہیں دے کر یہاں آ گیا ہوں انوجیت' میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ مجھے کوئی ایسا بندہ مل جائے جو اوگی پنڈ کا ہو۔وہاں تو مجھے کوئی نہیں ملا۔صرف تم میرے نیٹ فرینڈ بنے جو اوگی سے تعلق رکھتا تھا۔''

''اور تمہاری مجھ پر نوازشات کی وجہ یہی تھی کہ تم یہاں پر.....!''اس نے کہنا چاہا مگر جسپال نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا انوجیت' میں نہیں چاہتا تھا کہ تم میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاؤ' میں نے جو کچھ بھی کیا تمہیں اپنا دوست بنانے کے لیے کیا۔یہ تم پر کوئی احسان نہیں بلکہ میری مجبوری تھی۔اب تم اسے جو سمجھو۔''اس کے لہجے میں شرمندگی کی ہلکی سی بھی رمق نہیں تھی بلکہ ایک طرح سے اعتماد تھا۔

''مجھے اچھا لگا جسپال کہ تم نے صاف صاف کہہ دیا۔اب یہ یقین رکھنا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔جتنا چاہے مجھ پر اعتماد کر لینا۔''

''میں شکریہ نہیں کہوں گا انوجیت۔''جسپال نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہنا بھی نہیں چاہیے۔''وہ دھیرے سے بولا' پھر تیزی سے پوچھا۔تم اب اوگی میں کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''سچ پوچھو تو مجھے خود نہیں معلوم میں نے کیا کرنا ہے' کیا نہیں کرنا۔اب یہ حالات ہی بتائیں گے۔''وہ ایسے بولا جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔اسے دربار صاحب میں اپنی کیفیات یاد آنے لگیں۔اسے یہ باور تو ہو گیا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے لیکن یقین سے کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نہیں کہہ سکتا تھا کہ کن حالات میں اس نے کیا کرنا ہوگا۔ دربار صاحب سے اسے اشارہ مل گیا تھا۔ انہیں امرتسر سے نکلے تقریباً پون گھنٹہ ہو گیا تھا۔ تبھی سڑک کنارے ایک ڈھابے کی طرف گاڑی موڑتے ہوئے انوجیت نے کہا۔

''چل یار پرشاد تو شکھیں' پھر دیکھی جائے گی۔'' جسپال سنگھ مسکرا کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

تارکول کی سیاہ سڑک نے گاؤں اور حویلی کے درمیان حد فاصل قائم کر دی تھی۔ یہ سردار شاہ دین کی حویلی اور نور نگر الگ الگ دکھائی پڑتے تھے۔ سڑک کے دائیں جانب آبادی والے گاؤں میں زندگی کی جدید سہولتیں میسر آنا شروع ہو گئی تھیں۔ سڑک کے بائیں جانب کافی آگے جا کر حویلی تھی۔ تارکول کی بڑی ساری سڑک تقریباً ڈیڑھ فرلانگ فاصلہ طے کر کے حویلی تک پہنچاتی تھی۔ آٹھ ایکڑ رقبے پر حویلی کی چار دیواری تھی۔ جبکہ رہائشی حصہ چار ایکڑ پر تھا۔ جس کے اردگرد سبز قطعات' باغ اور ملازمین کے رہائشی کوارٹر تھے۔ ایک طرف اصطبل تھا جو اب جدید ماڈل کی گاڑیوں کا گیراج بن چکا تھا۔ میں نے درمیانی سڑک سے حویلی والی سڑک پر بائیک موڑی تو سفید پینٹ کی ہوئی حویلی مجھے دھوپ میں چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ آہنی گیٹ بالکل سیاہ تھا۔ جو کسی قلعے کا گیٹ ہونے کا تاثر دے رہا تھا۔ میں نے گیٹ کے پاس بائیک روکی تو چوکیدار نے مجھے دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔ میں بائیک سمیت اندر چلا گیا۔

حویلی کے عقب میں سبزلان کے ایک کونے میں بڑی ساری چھتری تلے سردار شاہ دین کے ساتھ شاہ زیب بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے سامنے دھری میز پر چائے کے نفیس برتن تھے۔ میرے اور ان کے درمیان پتھر کی ایک روش تھی۔ وہیں پر میں نے ایک طرف بائیک کھڑی کی اور ان کی جانب بڑھ گیا۔ وہ دونوں بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جس سے نجانے مجھے کیوں یہ احساس ہوا کہ وہ میرے منتظر تھے۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا اور بڑے مودب انداز میں کھڑا ہو گیا۔ تب سردار شاہ دین نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''بیٹھو۔'' اس کا اشارہ قریب رکھی کرسیوں میں سے ایک کی طرف تھا جو مجھ سے دو فٹ کے فاصلے پر رکھی ہوئی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ سردار مجھے اپنے برابر بیٹھنے کے لیے کہے۔ اس لیے میں نے بڑے مودب انداز میں کہا۔

''نہیں سردار جی' میں ایسے ہی ٹھیک ہوں، آپ حکم کریں۔''

''جب میں تمہیں کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہہ رہا ہوں تو بیٹھ جاؤ۔'' اس نے قدرے الجھتے ہوئے کہا۔

''سردار جی اس کرسی پر بیٹھنا بہت آسان ہے مگر بیٹھ کر اٹھنا بہت مشکل ہے۔ وہ تھوڑی دیر جو میں اس کرسی پر گزاروں گا، اس کی لذت میرا دماغ خراب کر دے گی۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' میں نے اسی ادب سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے خوش گوار لہجے میں بولا۔

''جمال' میں جانتا ہوں کہ وقت نے تجھے ڈھال کر تلوار بنا دیا ہے۔ تم چمک بھی گئے ہو لیکن ابھی تیز دھار ہونے میں تمہیں کچھ وقت لگے گا۔''

''میں جانتا ہوں سردار جی' جہاں تلوار بن گیا ہوں وہاں دھار لگنے میں اب کتنا وقت لگے گا۔ خیر آپ حکم کیجیے۔'' میں نے اپنے لہجے کو با ادب ہی رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ وہ چند لمحوں بعد بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''یہ تو تمہیں معلوم ہے نا جمال کہ میں نے ہمیشہ فنکاروں کی قدر کی ہے۔ نٹ بازوں سے لے کر تیرے جیسے ماہر نشانہ بازوں تک نے اس حویلی سے ہمیشہ قدر پائی ہے۔ رات میلے والا معاملہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میرے گاؤں کا لڑکا بھی اتنا بڑا فنکار ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پانچ سو روپے والے نوٹوں کی ایک گڈی میز پر برتنوں کے ساتھ رکھ دی۔

''یہ لو یہ تمہارا انعام ہے اٹھا لو۔''

اس کے یوں کہنے پر میرے اندر ایک بگولا اٹھا۔ جس سے مجھے توہین کا احساس ہوا۔ میں انعام اور معاوضے کے درمیان فرق کو سمجھتا تھا لیکن سامنے پڑی ہوئی نوٹوں کی گڈی نہ انعام اور نہ معاوضہ، یہ وہ چارہ تھا جو کسی کو ذہنی غلام بنانے کے لیے ڈالا جاتا ہے۔ میں سردار شاہ دین کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لیے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''سردار جی اتنی بڑی رقم؟''

''نہیں' یہ کوئی اتنی بڑی رقم نہیں ہے۔ تمہارے شایان شان تو اس سے بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ یہ گڈی اٹھا کر جیب میں ڈالو پھر میں تم سے وہ کچھ کہوں جو میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے۔'' وہ بہت کائیاں تھا۔ قدم بہ قدم آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ میرا ردعمل ہی اسے آگے بڑھنے میں مدد دیتا۔ اس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ ضرور کوئی ڈیل کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ میرے جیسے بے اوقات بندے کے لیے تو اس کے پاس سوچنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ میں نے ایک لمحے میں سوچا اور آگے بڑھ کر گڈی اٹھالی۔ پھر ادب سے بولا۔

''جی سردار جی حکم۔''

''تجھے معلوم ہی ہے کہ شاہ زیب نے چودہ جماعتیں پڑھ لی ہیں۔ تم دونوں ایک ساتھ ہی تو کالج پڑھتے رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اب لاہور یونیورسٹی بھیج دوں۔ تم بھی اس کے ساتھ پڑھنے کے لیے وہیں داخلہ لے لو' سارا خرچہ حویلی ہی سے ہوگا۔ وہاں تم اس کے ساتھ رہو گے۔ اس کے لیے معقول ماہانہ رقم بھی ملے گی جاؤ' تیاری کرلو کل تم لوگوں نے یہاں سے نکلنا ہے۔'' اس نے بڑے سکون سے اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ تبھی میں خود پر قابو پاتے ہوئے پرسکون لہجے میں بولا۔

''مطلب' مجھے وہاں شاہ زیب کا باڈی گارڈ بن کر رہنا ہوگا۔''

''ہاں' ایک تو ہماری دشمن داری بہت ہے، یہ تجھے معلوم ہے' دوسرا یہ وہاں فقط پڑھنے ہی نہیں جا رہا بلکہ میں اسے وہاں سے سیاسی طور پر ابھارنا بھی چاہتا ہوں۔ جیسے ہی یہ یونیورسٹی پڑھ لے تب تک کم از کم صوبے کے لوگ تو اسے جانتے ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بڑے خنک لہجے میں کہا۔ ''پھر.....! تجھے بھی تو ابھی تیز دھار بننا ہے۔ تمہارے لیے بھی یہ سنہری موقع ثابت ہوگا۔''

''گویا مجھے وہاں پر شاہ زیب کا ملازم بن کر رہنا ہوگا جس کے عوض اتنی نوازشات مجھ پر کی جا رہی ہیں۔'' اس بار میرے لہجے میں تلخی کی ہلکی سی رمق در آئی تھی۔ اس پر سردار نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''تم اسے جو مرضی نام دے لو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ طنزیہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کر دیا۔ میں نے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بڑے سکون سے وہ گڈی دوبارہ میز پر رکھ دی اور بولا۔

''یہ تو قدرت کی تقسیم ہے نا سردار جی کہ آپ کے پاس دولت کا شمار نہیں لیکن مجھے جو میرے رب نے دیا ہے وہ آپ کے پاس نہیں۔ آپ شاہ زیب کے لیے اپنی دولت سے نجانے کتنے باڈی گارڈ خرید سکتے ہیں۔ میرا فن اس جیسے گھٹیا کاموں کے لیے نہیں ہے۔ مجھے اپنے فن کی قدر کرنا آتا ہے اور باقی رہی میرے تیز دھار ہونے کی بات تو وقت سب کچھ بنا دیتا ہے اور کوئی حکم ہے میرے لیے؟'' اس بار میں نے سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تو وہ مسکرا دیا اور بڑے سکون سے بولا۔

''تم میں سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ تمہارا خون بہت گرم ہے۔ یہ تجھے کچھ بھی نہیں سوچنے دیتا۔ جاؤ' آج سارا دن میری آفر پر ٹھنڈے دماغ سے غور کرنا۔ بات سمجھ میں آ جائے تو حویلی آ جانا اپنی تیاری کر کے.....!''

اس سے پہلے کہ میں فوری طور پر انکار کر دینے کے لب کھولتا اچانک شاہ زیب نے تیزی سے کہا۔

''یہ کیسی باتیں چل پڑی ہیں۔'' پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''یار کیا تم نے مزید آگے نہیں پڑھنا۔ ہم کل تک اکٹھے پڑھتے آئے ہیں اگر اب ایک ساتھ داخلہ لے لیں گے اور ساتھ میں رہیں گے تو اس میں برائی کیا ہے۔ تم نہ بننا میرا باڈی گارڈ، دوست بن کر رہ سکتے ہو میرے ساتھ۔ دوسرے لوگ تھوڑے ہیں اس کام کے لیے۔''

''شاہ زیب' چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر..... بات تو ایک ہی ہے۔ سنو' میں سردار صاحب کی آفر سے انکار کرتا ہوں۔''

''برخوردار' تم بہت بڑی آفر ٹھکرا کر محض کنویں کے مینڈک رہنا چاہتے ہو جبکہ میں تجھے آسمان تک پہنچانے کی بات کر رہا ہوں۔'' سردار نے طنزیہ لہجے میں کہا تو میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''سردار جی' مجھے ابھی آسمان پر نہیں جانا' ابھی زمین پر بہت سارے کام ہیں اللہ حافظ۔'' میں نے ان دونوں پر ایک نگاہ ڈالی جو میری طرف ہی دیکھ رہے تھے میں نے مزید کچھ سنے بغیر اپنے قدم واپسی کے لیے بڑھا دیے۔ رہائشی عمارت کی طرف آتے ہوئے راستے میں میری بائیک کھڑی تھی۔ میں نے وہ اسٹارٹ کی تو اس کی آواز نے خاموشی کو چیر دیا۔ میں اپنے آپ کو پرسکون کرتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ماں نے میرا چہرہ پڑھ لیا۔ وہ اس وقت صحن میں لگے نیم کے درخت تلے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے سبزی کی ٹوکری تھی۔ اس کے ساتھ ہی دوسری چارپائی پر سوہنی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں بائیک کھڑی کر کے اندر جانے لگا تو ماں نے کہا۔

''اوئے جمالے' ادھر بات سن' تجھے خیریت تو ہے نا۔''

میں رک گیا اور وہیں کھڑے کھڑے بولا۔

''کوئی بات نہیں ماں سب ٹھیک ہے تو مجھے ناشتا دے بعد میں اس کے ساتھیوں کا اتا پتا معلوم کرنے جاؤں' ان کا پتا چل گیا تو ٹھیک ورنہ اسے شہر کے بس اڈے پر چھوڑ دیتا ہوں خود چلی جائے گی۔''

''حویلی والوں نے تجھے کیوں بلایا تھا۔'' اماں نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا تو میں اماں کے پاس جا بیٹھا اور وہاں کی ساری رو

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

داد سناوی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

''اچھا کیا تو نے سردار کو انکار کر دیا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں۔

''ماں' کیا تجھے میرا انکار کرنا اچھا نہیں لگا۔'' میں نے الجھتے ہوئے پوچھا تو وہ تڑپ کر بولیں۔

''دیکھ جمالے' میں نے تجھے اس وقت بھی نہیں ڈرایا تھا جب تو میری چھاتی سے لگ کر دودھ پیتا تھا۔ تو جانتا ہے کہ میں نے آج تک نہ تجھے ڈرایا ہے اور نہ کبھی تیرا حوصلہ توڑا ہے لیکن ابھی' ان سرداروں کے ساتھ تیری دشمنی سے تیری زندگی اجیرن ہو جائے گی۔'' ماں نے کہا تو سوہنی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''ان کی دوستی کون سا سکون لینے دے گی ماں، کیا تجھے اپنے بیٹے پر بھروسا نہیں تو بیوہ ہو کر بھی میری پرورش کرتی رہی اور میں تجھے نا امید کر دوں گا۔'' میں نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے بس تیری فکر ہے کیونکہ یہ دنیا بڑی ظالم ہے پتر۔'' ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ماں جب تک تیری دعا ہے نا مجھ پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔ چاہے ساری دنیا میری مخالف ہو جائے اور تو نے مجھے جو بنانا تھا بنا دیا۔ اب میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا بننا ہے اور کیا کرنا ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک یہی ایک سبق تو سیکھا ہے میں نے۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا تو ماں نے دلار سے کہا۔

''میرے لعل' میں تجھے بہت بڑا آدمی دیکھنا چاہتی ہوں۔'' ان کے لہجے میں ممتا گھلی ہوئی تھی۔

''اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ میں کسی کی نوکری کروں یا کسی کا غلام بن جاؤں۔ یہ سردار تو انسان پر انسان کی حکومت چاہتے ہیں۔ جسے میرا ضمیر کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ میری قسمت میں جو ہوگا میں بن جاؤں گا۔ چل چھوڑ اس قصے کو۔ مجھے ناشتا دے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو اماں اٹھ گئیں۔ سوہنی ایک ٹک مجھے دیکھے چلی جا رہی تھی۔ تبھی میں نے اس سے پوچھا۔

''ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے سوہنی۔ تیرے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ تُو اس طرف کیسے آ گئی۔''

''میں.....!'' اس نے سوچتے ہوئے کہا جیسے یاد کر رہی ہو پھر بولی۔ ''میں اس وقت تم لوگوں کے قریب تھی جب فائرنگ شروع ہوئی۔ اسی بھگدڑ میں کسی نے مجھے بازو سے پکڑا اور ایک طرف لے کر نکل کھڑا ہوا۔ وہ کوئی دیہاتی بندہ تھا۔ اس کے پیچھے چند لوگ تھے۔ شاید وہ مجھے مال غنیمت سمجھ رہے تھے یا..... پتا نہیں کچھ ایسا تھا کہ مجھے خوف آ گیا۔ میں پوری قوت لگا کر اس سے اپنا بازو چھڑایا اور جدھر منہ آیا ادھر بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ دور تک میرے پیچھے آئے تھے۔ میں اندھا دھند بھاگتی ہوئی فصلوں میں چھپ گئی۔ مجھے ان کا تو پتا نہیں کدھر گئے لیکن اتنی دیر میں تم آ گئے۔'' اس نے اپنی بات کہی تو میں نے پوچھا۔

''تجھے مجھ پر اعتبار آ گیا یا مجبوری میں ڈر کر.....!''

''میں نے اگر تمہیں وہاں پنڈال میں فائر کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی تیرے ساتھ نہ آتی۔ اس وقت مجھے کسی پناہ کی ضرورت تھی۔ سو

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں تمہارے ساتھ یہاں آ گئی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی تو میں نے کہا۔

''اچھا تو ایسے کر اپنی تیاری پکڑ میں ناشتا کرلوں تو تجھے چھوڑ آؤں۔''

''کہاں..... کہاں چھوڑ کے آؤ گے..... میرے ساتھی مل گئے ہیں؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''پتا کرتے ہیں مل گئے تو ٹھیک ورنہ تجھے شہر کے بس اڈے پر چھوڑ دیتا ہوں کسی بس میں بیٹھ کر چلی جانا۔''

''کیا تو مجھے دو چار دن ماں جی کے ساتھ نہیں رہنے دے گا۔ آخر میں نے چلے ہی جانا ہے آج نہیں تو چند دن بعد.....!'' اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا تو میں مسکرا دیا اور عام سے لہجے میں بولا۔

''چل زیادہ فلمی ڈائیلاگ مت مار میں خوامخواہ کی کوئی الجھن نہیں پالنا چاہتا۔ چل اٹھ جا۔'' میں نے کہا تو اٹھ گئی۔

اس وقت اماں نے میرے سامنے ناشتا رکھ دیا تھا، جب چھا کا گیٹ سے اندر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ میرے قریب پڑی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''پتا ہے رات کتنے بندے زخمی ہوئے ہیں۔ دونوں طرف سے لگ بھگ اٹھارہ بندے شدید زخمی ہیں۔ اب شاید ان میں دو چار بندے مر بھی جائیں۔'' اس نے خبر سنائی اور بڑے سکون سے ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''یہ مرنے والے بندے کن کے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''پیرزادہ وقاص کے اپنے بندے تو بہت کم زخمی ہوئے ہیں۔'' اس نے نوالا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو ناشتا کر کے تیار ہو جا شہر چلتے ہیں وہاں زخمیوں کا بھی پتا کرلیں گے اور اس کو بھی چھوڑ دیں گے۔'' میں نے دالان میں کھڑی سونی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یار رات تو بڑی خوب صورت لگ رہی تھی یہ..... اسے بلا ناپاس ذرا قریب سے دیکھوں۔'' اس نے مذاق سے کہا۔

''ابھی تیرے ساتھ بٹھا دوں گا، دیکھتے رہنا اسے، چل تو ناشتے کی طرف دھیان دے۔'' میں نے مکھن اس کے پراٹھے پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا کر رہ گیا۔

اس وقت ہم ناشتا کر کے چائے پی رہے تھے کہ سونی دھیمی چال سے چلتی ہوئی ہمارے قریب آئی اور بڑے اجنبی سے لہجے میں بولی۔

''یہاں گاؤں میں کوئی فون ہے کہیں سے میں کال کر سکتی ہوں؟''

''ہاں چوک میں ہے اچھو کریانے والے کے پاس کیوں کسے کرنا ہے فون؟'' میں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تیرا معاملہ نہیں ہے جمال اب میں چلی جاؤں گی، تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے تیزی سے کہا تو میں نے چھا کے کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل اجنبی بن کر ہماری بات سن رہا تھا۔ تب میں نے کہا۔

''چل بول کیا ہے تمہارا نمبر میں وہاں فون کر دیتا ہوں ہاں تجھے چوک میں نہیں لے جا سکتا؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''میں ابھی لکھ دیتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ الٹے قدموں اندر کی طرف چلی گئی جبکہ چھا کا کچھ سنے بغیر واپس چلا گیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ میں نے اسے اب ہر حال میں یہاں سے بھیج دینا ہے اور پھر ہمیں شہر بھی تو جانا تھا، وہیں کسی بس میں بٹھا کر اس سے جان چھڑوالینا تھی۔

میں گلی میں نکل کر پیدل ہی چوک کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے ابھی چند قدم ہی بڑھا تھا کہ سامنے سے ایک سرخ رنگ کی کھلی چھت والی جیپ آناً فاناً گلی میں داخل ہوئی۔ اگلے چند لمحوں میں وہ میرے پاس آن رکی۔ جس سے دھول کا ایک مرغولا اٹھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دھول بیٹھتی کسی نے زور سے پکارا۔

''اوئے جمال تو ہی ہے نا۔''

جیپ میں چھ لوگ سوار تھے۔ ان کی شکلیں میرے لیے بالکل اجنبی تھیں۔ ان کا یوں میرا راستا روکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میری نگاہوں میں سردار شاہ دین کو کیا گیا انکار گھوم گیا۔ سردار یہ کب چاہتے ہیں کہ ایک ایسا آدمی جس نے یتیمی میں پرورش پائی ہو غریب ہو دولت اس کے منہ پر مار کر اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ سردار سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گاؤں میں رہنے والے اس کے زیر تسلط لوگ اس کے حکم سے انحراف کر دیں۔ میں نے بغاوت کی تھی۔ اب اس کی سزا تو مجھے ملنا تھی۔ اس وقت تک دھول کی دھند چھٹ چکی تھی کہ ایک کالے بھجنگ شخص نے دوبارہ پوچھا جو پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا ان کا لیڈر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے لہجے اور انداز میں جو اکھڑ پن تھا وہ مجھے بہت برا لگا۔ اس لیے میں نے بھی ٹیڑھے انداز میں پوچھا۔

''اوئے، تجھے کس جمال کی تلاش ہے۔''

''جو رات میلے سے لڑکی اٹھا کر لایا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ تو ہے۔ چل۔ او لڑکی ہمیں دے دے ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' اس نے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے اسی اکھڑ پن سے حکم صادر کیا۔

اس وقت فوراً ہی میرے ذہن نے سوچا کہ اسے کیسے معلوم کہ لڑکی میرے پاس ہے۔ میں نے پہلے کبھی اسے یہاں نہیں دیکھا۔ بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔ سوہنی نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ پھر یہ کون ہے؟

''کون..... کیسی لڑکی..... تو ہوش میں تو ہے کیا بک رہا ہے؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یہ ایسے نہیں مانے گا، چل اس کے گھر چل، وہاں سے لڑکی لے آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں یہ سور ما کیا کرتا ہے؟''

اگلے ہی لمحے ڈرائیور نے جیپ بڑھا دی۔ وہ میرے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ چند لمحوں میں وہ میرے گھر کے سامنے تھے۔ میں تیزی سے مڑ کر ان کی جیپ کے سامنے آ گیا۔ مگر ان میں سے کوئی اُترا نہیں تھا۔ میں نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''اوئے رکو، کیا چاہتے ہو تم لوگ؟''

''بڑا بے وقوف ہے تو، ابھی تجھے بتایا ہے..... خیر..... چل جلدی سے لڑکی نکال لا باہر ورنہ پھر ہم تو نکال ہی لائیں گے اسے۔'' اس کے لیڈر نے استہزائیہ انداز میں کہا تو خون میرے دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے تحمل سے پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''تو میرے ہی گھر کے سامنے کھڑا مجھے دھمکی دے رہا ہے۔ تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تو جدھر سے آیا ہے ادھر ہی واپس چلا جا۔ میں نہیں جانتا کہ تو کس کا کتا ہے جیسے ہی مجھے معلوم ہوا میں خود جا کر اس گھٹیا حرکت کے بارے میں پوچھ لوں گا۔''

میرے یوں کہنے پر اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر تضحیک آمیز انداز میں میری طرف دیکھ کر دوبارہ قہقہہ لگایا۔ پھر چند لمحے میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ جیپ سے اترنے لگا۔ مگر میں اسے کب موقع دیتا اس سے پہلے کہ اس کا پاؤں زمین پر پڑتا۔ میں نے چشم زدن میں پسٹل نکالا اور اس کی پنڈلی پر فائر کر دیا۔ میں نے اپنی جگہ تبدیل کی اور دوسری طرف پہلو میں آ کر اس کے کاندھے میں فائر جھونک دیا۔ اس سے پہلے کہ دوسرے اپنا اسلحہ سیدھا کرتے میں نے پورا میگزین ان پر خالی کر دیا۔ یہ سب آدھے منٹ کے دورانیے میں ہوا۔ مجھے میگزین بدلنا تھا۔ میں اچانک ہی سامنے والے گھر میں داخل ہو گیا۔ میں نے تیزی سے میگزین نکالا اور بدلتے ہی دیوار پر چڑھنے لگا چند لمحوں میں دیوار کے اوپر سے باہر دیکھا۔ ان کی حالت نازک تھی۔

''جس نے بھی حرکت کی وہ اپنی زندگی سے جائے گا سر پر ہاتھ رکھ کر جیپ سے نیچے اتر آؤ۔''

جس وقت میں یہ کہہ رہا تھا، ان میں سے ایک سیانے نے اپنا دایاں ہاتھ قریب پڑی گن کی طرف بڑھایا۔ میں نے اس کے ہاتھ کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ وہ چیخ مار کر الٹ گیا وہ سبھی سہم گئے۔ شاید انہیں اس قدر فائر ہونے کی توقع نہیں تھی۔ وقت سے پہلے ہو جانے والا اندازہ ہی انسان کو یا تو فتح سے ہمکنار کر دیتا ہے یا مات اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔ ان کا اندازہ غلط ہو گیا تھا۔ ممکن ہے انہوں نے یہی خیال کیا ہو کہ وہ ایک چیونٹی کو مسلنے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہ لیڈر بھی میری جانب پھٹی پھٹی مگر دردناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کاندھے پر رکھا ہوا ہاتھ خون سے تر ہو چکا تھا۔ فائرنگ کی آواز سے گلی کے دروازے کھل کر بند ہو گئے تھے۔ میں نے پسٹل کی نال سے انہیں جیپ سے اترنے کا اشارہ کیا۔

''اب بتاؤ تم میں سے پہلے کس نے مرنا ہے؟''

میرے یوں کہنے پر دوسروں کے تو چہروں پر رنگ آ کر گزر گئے مگر ان کا لیڈر اپنے حواس میں تھا اس نے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جمال تو بھاری پڑ گیا ہے، ہمیں جانے دے۔''

''ٹھیک ہے یہ بتا دو کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے میں تجھے جانے دوں گا۔'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا تو وہ چند لمحے تذبذب میں پھر اپنی پشت پر موجود ساتھیوں کی آہ و بکا سن کر بولا۔

''پیرزادہ وقاص نے.....!'' اس نے کہا تو میں ایک دم سے چونک گیا۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ سونی میرے پاس ہے۔ یہی سوال میں نے اس سے کیا تو وہ بولا۔

''یہیں اس گاؤں سے پتا چلا ہے اس لڑکی کے ساتھ والے پیرزادہ کے پاس ہیں۔'' اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ اس کی آواز اب ڈوبنے لگی تھی یا وہ ڈراما کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ اسے کہنا کہ لڑکیوں کے ساتھیوں کو یہاں بھیج دے میں لڑکی انہیں دے دوں گا اور ہاں، اسے بتا دینا میں نے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لڑکی کو اغوا نہیں کیا بلکہ وہ میرے ساتھ خود آئی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے مجھے شدید غلطی کا احساس ہوا۔ وہ کچھ دور جا کر اسلحے کے بل بوتے پر کچھ بھی کر سکتے تھے۔ میں نے ان کے ہر بندے کو زخمی کیا تھا۔ میں اگر اس وقت ان پر رحم کرتا تو ممکن تھا کہ وہ مجھے جان سے مار دیتے۔ وہ فطری طور پر سیدھے ہوئے ہی تھے کہ میں نے کہا۔

''جیپ چھوڑ دو پیدل جاؤ یہاں سے۔ دس تک گنتی گنوں گا..... پھر جو بھی نشانے پر چڑھا میں اسے مار دوں گا..... ایک.....!'' میں نے کچھ ایسے انداز میں کہا تھا کہ فوراً ہی ان میں ہلچل مچ گئی۔ میرے پسٹل تاننے کی دیر تھی۔ وہ طوعاً کراہاً جیپ سے اترے اور تیزی سے واپس گلی میں چل دیے۔ حالانکہ ایک سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ میں جان بوجھ کو دھیرے دھیرے گن رہا تھا۔ سات' آٹھ تک پہنچا تھا کہ وہ گلی سے نکل گئے۔ میں جب تک دیوار سے نیچے آیا گلی میں سے کئی مرد اور عورتیں نکل آئے۔ میں نے کسی کے سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ میرا ذہن اس وقت تیزی سے یہی سوچ رہا تھا کہ پیرزادہ وقاص تک سوہنی کے بارے میں معلومات کیسے پہنچیں؟ کیا گاؤں میں اس کا کوئی مخبر ہے یا پھر مخبری پر کسی کو مامور کر دیا گیا ہے؟ ان سوالوں کے جواب کا یہ وقت نہیں تھا۔ اس وقت میں شدید خطرے میں تھا۔ پیرزادہ وقاص کو دہری چوٹ دے چکا تھا۔ ان بارہ گھنٹوں میں اس کے کئی بندے زخمی کر دیے تھے۔ وہ ایسا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ خاموش بیٹھا رہتا۔ اب اس کا حملہ ایسا نہیں ہونا تھا کہ جسے میں روک سکتا۔ میں نے تیزی سے جیپ کی تلاشی لی' سارا اسلحہ ایک جگہ اکٹھا کیا پھر اسے اٹھا کر گھر کی جانب پلٹا ہی تھا کہ گیٹ کی جھری سے سوہنی دکھائی دی جو مجھے دیکھ رہی تھی۔ گلی میں موجود کسی بھی مرد یا خاتون نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے پاؤں کی ٹھوکر سے گیٹ کھولنا چاہا مگر اس سے پہلے سوہنی نے کھول دیا۔

''مجھے لینے آئے تھے وہ.....؟'' اس کے لہجے میں خوف سے زیادہ تجسس تھا۔ جبکہ کچھ فاصلے پہ کھڑی اماں دکھ بھرے چہرے کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں' تجھے لینے..... تیرے سارے سنگی ساتھی ان کے پاس ہیں۔'' میں نے اسے جواب دیا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ میں نے اوپر والے کمرے پر پڑے تالے کو مخصوص انداز میں دبایا تو وہ کھل گیا۔ یہ میری خاص تکنیک تھی۔ اس تالے کی چابی نہیں تھی۔ دروازہ کھول کر میں نے اسلحہ ایک طرف رکھا۔ دروازہ بند کیا اور نیچے آ گیا۔ اماں اب افسردہ اور حیرت زدہ سی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''تو کیا سمجھتا ہے کہ یہ پیرزادے تھے..... سردار شاہ دین کی چال بھی تو ہو سکتی ہے۔'' ماں نے دھیرے سے کہا۔ اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا سوہنی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''دیکھو میری وجہ سے خون خرابہ ہو سکتا ہے۔ وہ اب بھرپور حملہ کر سکتے ہیں۔ مجھے بتا دو کہ وہ پیرزادہ کدھر رہتا ہے میں خود چلی جاتی ہوں وہاں۔''

''بکواس مت کرو۔'' میں نے انتہائی غصے سے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ میرے مزاج کے خلاف ہے کہ کوئی زبردستی مجھ سے کچھ چھین لے' یا جو میں نے کہا ہے ویسا نہ ہو۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ وہ تجھے یہاں سے آ کر لے جائیں تو لے جائیں۔''

''اس کا مطلب ہے میں اب تمہاری قیدی ہوں؟'' اس کے لہجے میں خوف کے ساتھ تشویش جھلک رہی تھی۔ وہ میری بات کے کچھ اور ہی معنی لے بیٹھی تھی۔ تب میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''کوئی یوں دھونس جما کر تمہیں مجھ سے لے جائے' ایسا ممکن نہیں، تیرے سنگی ساتھی آ جائیں تو لے جائیں تمہیں..... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''پتر! میرا من نہیں مانتا کہ پیرزادہ ایسا کر سکتا ہے تم ایسے کرو جاؤ اور اس سے رابطہ کرو تم پر سارا معاملہ کھل جائے گا۔''

ماں کا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میں نے سوہنی سے کوئی بات نہیں کی اور باہر نکل گیا۔ میرا رخ پھر سے اچھو کریانے والے کی دکان کی طرف تھا۔ میں نے جاتے ہی پیرزادہ وقاص کا نمبر ملانے کے لیے کہا۔ وہ علاقے کا معروف آدمی تھا۔ ایسے سارے لوگوں کے نمبر اس کے پاس ہوتے تھے۔ اس نے نمبر ڈائل کر کے ریسیور مجھے تھما دیا۔ دوسری جانب رنگ بجنے لگی۔ چند گھنٹیوں کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

''ہیلو۔'' دوسری جانب سے پیرزادہ وقاص کی آواز ابھری تو میں نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں نور نگر گاؤں کا جمال بات کر رہا ہوں۔ ابھی کچھ بندے بھیجے تھے میری طرف تو نے کیا وہ واپس پہنچ گئے ہیں تیرے پاس؟''

''ابھی تک تو میں نے کوئی بندہ نہیں بھیجا تیری طرف۔ اگر بھیجتا تو وہ تجھے لے کر میرے پاس آ جاتے تم یوں فون پر بات نہ کرتے۔ ویسے ابھی مجھے پتا چلا ہے کہ ایک طوائف تیرے پاس ہے۔ تصدیق ہوتے ہی بھیج دوں گا بندے۔ اچھا کیا تو نے فون کر لیا۔ بتا وہ ہے تیرے پاس؟''

''ہاں وہ میرے پاس ہے جو بندے تو نے بھیجے تھے میں نے انہیں زخمی کر کے واپس تیرے پاس بھیج دیے ہیں۔ جھوٹ کیوں بولتا ہے مرد ہے تو سچ بول۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''کہا نا میں نے نہیں بھیجے اگر میں اپنے بندے بھیج دیتا نا وہ لڑکی لے کر ہی آتے۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' اس نے غراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تجھے کیسے پتا چلا؟ انہوں نے تو یہ بتایا ہے کہ اس لڑکی کے سنگی ساتھی تیرے پاس ہیں اور باقی رہی بندے بھیجنے کی بات تو اپنا یہ شوق بھی پورا کر لے۔ میں تیرے انتظار میں ہوں۔ خود آ نا ان کے ساتھ۔'' میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا تو اس نے کافی حد تک تحمل بھرے لہجے میں کہا۔

''دیکھ جمال' میں تیرے جیسے ہیرے کی قدر کرتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تو میرے ساتھ اونچی آواز میں بات کرے۔ تیرے جیسے کئی فنکار میرے ڈیرے پر پڑے ہوئے ہیں لیکن میں اسے شہہ زوری نہیں مانتا۔ وقت جس کے ہاتھ میں ہو، وہی شہہ زور ہوتا ہے اور وہی طاقت ور..... میرے ساتھ دھیمے لہجے میں بات کر بتا اصل بات کیا ہے؟''

''وہی جو میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے سکون سے کہا تو وہ نرم لہجے میں بولا۔

''تو سن اس لڑکی کے سارے ساتھی میرے ڈیرے پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس لڑکی کے انتظار میں، مجھے کہا گیا ہے کہ دوپہر سے پہلے وہ ان تک پہنچ جائے گی۔ اب یہ مجھے نہیں معلوم کہ کیسے، لیکن یہ غلط بات ہے کہ میں نے کوئی بندے تمہارے طرف بھیجے ہیں۔''

''تو پھر تو بھی سن' تیرا نام لے کر چھ بندے میرے گھر پر حملہ کرنے آئے تھے۔ تاکہ اس لڑکی کو اٹھا کر لے جائیں۔ میں نے تم سے اس لیے پوچھا ہے کہ سازش کرنے والے نامردوں والا کام کب سے کرنا شروع کر دیا ہے'' میرے لہجے میں انتہائی درجے کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

''اچھا کیا' اچھا کیا تو نے مجھے بتا دیا۔ میرے بندے مر تو جاتے لیکن لڑکی ضرور لاتے۔ تم نے اپنی باتوں میں خود ہی اشارہ دے دیا ہے کہ سازش کرنے والا نامرد کون ہے۔ میں اسے خود دیکھ لوں گا۔ اب تو دیکھ تجھے کیا کرنا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دھیرے سے ہنس دیا تو میں بھی قہقہہ لگاتے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوئے کہا۔

''وقت جس کے ہاتھ میں ہوگا فیصلہ اسی کے حق میں ہو جائے گا۔ وہ لڑکی میرے پاس ہے اس کے ساتھی بھیج دو میں لڑکی انہیں دے دوں گا۔ حملہ آوروں کی جیپ میرے گھر کے باہر کھڑی ہے، دیکھتا ہوں وہ جیپ کون لے کر جاتا ہے۔''

''چلو طے ہوا لڑکی کے ساتھی تیرے پاس آ جاتے ہیں لیکن انہیں ان کے ٹھکانے تک بحفاظت پہنچانا اب تیری ذمہ داری ہوگی۔ ہے تم میں اتنا دم؟''

اس نے بڑا خوب صورت پینترا بدلا تھا۔ اس نے اتنے اچھے انداز میں مجھے دھمکی دی کہ میں ایک بار تو جھوم اٹھا اس نے میرے حوصلے کو چیلنج کر دیا تھا۔

''میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں پیرزادہ وقاص.....!''

''مجھے تم سے یہی امید تھی لو پھر کرو انتظار' بھجوا رہا ہوں انہیں۔ ربّ راکھا۔'' اس نے جوش سے کہا اور فون بند کر دیا۔ میرے ہاتھ میں ریسیور میں ٹوں ٹوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے بے دھیانی میں ریسیور رکھا اور سوچ میں پڑ گیا وہ کیا کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

جالندھر شہر کے باہر ہی انوجیت نے گاڑی ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی۔ اس کا سارا دھیان ڈرائیونگ پر تھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ جب انوجیت نے اپنی جیپ میں سے سیل فون نکالا اور نمبر تلاش کر کے پش کر دیا۔ لمحوں بعد رابطہ ہو گیا تو اس نے کہا۔

''جی ہم جالندھر سے اوگی کے راستے پر ہیں۔۔۔ بس آپ دیکھ لیں کتنی دیر لگے گی۔۔۔ ہاں۔۔۔ بس پہنچ کر اطلاع دیتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر کے پھر جیب میں ڈال لیا۔ جس پر جسپال نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ حالانکہ اندر سے تجسس ابھرا تھا۔ چاہے گاؤں اس کا اپنا تھا لیکن وہاں پر اس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا اور اس انوجیت سے بھی تو وہ آج ہی ملا تھا۔ چاہے پچھلے دو برسوں سے رابطہ تھا۔ آگے حالات کیا ہوتے ہیں۔ اس کا اسے خوف نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اتنا حوصلہ کر کے وینکوور ہی سے نہ آتا۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی طویل ہو گئی۔ چونکہ انوجیت کا یہ رستا دیکھا بھالا تھا۔ اس لیے وہ تیز رفتاری سے گاڑی بھگائے جا رہا تھا اور اس کی ساری توجہ سڑک پر تھی۔ یوں جسپال نے بھی اسے باتوں میں لگانا مناسب نہیں سمجھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی جب انوجیت نے اپنی طویل خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

''لے بھئی جسپال سنگھ جی، وہ سامنے جو گاؤں نظر آ رہا ہے نا، وہی تیری منزل ہے۔ تیرا پنڈ اوگی۔''

اس نے دیکھا' ہرے بھرے کھیتوں کے سرے پر سے آبادی شروع ہوتی تھی لیکن اس کا دوسرا کنارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''ارے یہ تو کافی بڑا گاؤں ہے۔''

''او یار' تقسیم ہند کے وقت اس پنڈ کی تین نمبرداریاں تھیں اور تین پنچوں پر ایک سرپنچ تھا۔ اب تو اتنی آبادی ہو گئی ہے چاہے اس پنڈ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تحصیل کا درجہ دے دو۔تم خود دیکھ لینا۔'' اس کے لہجے میں کافی حد تک تفاخر تھا۔

''ہاں' وہ تو دیکھوں گا سب کو ہی دیکھوں گا۔'' اس نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔شاید انوجیت نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔ورنہ وہ اس کے لہجے پر چونکتا ضرور۔اس وقت انوجیت نے گاڑی سڑک کنارے کھڑی کر دی تھی۔جبکہ گاؤں ابھی فرلانگ بھر کے فاصلے پر تھا۔ اس سے پہلے کہ جسپال اس سے رکنے کی وجہ پوچھتا وہ خود ہی اپنی طرف سڑک کے دائیں جانب ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''وہ دیکھو وہ بڑی ساری کوٹھی' کھیتوں کے درمیان۔''

''ہاں' دیکھ رہا ہوں۔'' جسپال نے سرخ اور سفید دو منزلہ خوب صورت کوٹھی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ایک پختہ راستا سڑک سے کوٹھی تک جا رہا تھا۔سبز کھیتوں کے درمیان چمکتی ہوئی دھوپ میں وہ گھر بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔تبھی انوجیت نے کہا۔

''یہ وہ گھر ہے جہاں میں رہتا ہوں۔''

''اچھا ہے۔'' جسپال سنگھ نے دل سے تعریف کی۔

''اب بتا پہلے گھر جانا ہے یا سیدھے وہاں جاؤ گے جہاں تمہارا آبائی گھر تھا' بولو۔'' اس نے اس قدر اعتماد سے کہا کہ جسپال چند لمحوں کے لیے حیران رہ گیا۔تبھی اس نے پوچھا۔

''تو میرے آبائی گھر کے بارے میں کیسے جانتا ہے جبکہ میں نے تجھے کبھی نہیں بتایا۔''

''یہ سب کچھ میں نہیں میری بے بے بتائے گی۔بس تو اپنے دماغ پر بوجھ نہ ڈال۔تجھے سب پتا چل جائے گا۔'' انوجیت نے اس قدر اپنائیت سے کہا کہ وہ مزید سوال نہ کر سکا۔اس لیے بڑے سکون سے بولا۔

''تو پھر انوجیت جیسے تمہاری مرضی۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس کا عندیہ پاتے ہی انوجیت نے اپنا سیل فون نکالا اور نمبر پش کر کے رابطہ ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔پھر کچھ لمحوں بعد بولا۔

''جی' ہم پہنچ گئے ہیں اور حویلی کی طرف جائیں گے پہلے، پھر واپس آ کر باتیں ہوتی رہیں گی۔''

اس پر جسپال کچھ نہیں بولا اس نے طے کر لیا تھا کہ دیکھیں انوجیت کیا کرتا ہے۔کچھ ہی دیر بعد انوجیت نے وہ فرلانگ بھر فاصلہ طے کیا اور گاڑی گاؤں کے داخلی راستے پر ڈال دی۔مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا وہ ایک چوراہے میں آ گیا، جو کافی کشادہ تھا۔چوراہے کے درمیان میں ایک برگد کا درخت تھا۔جس کے اردگرد گول پختہ تھڑا بنا ہوا تھا اور وہاں پر کافی سارے مختلف عمر کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔یہ گاؤں کی ''ستھ'' (چوپال) تھی۔ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر انوجیت نے گاڑی روک دی۔پھر اترتے ہوئے بولا۔

''اس گاؤں میں ایسی چھ اور ستھ ہیں لیکن سب سے پرانی یہی ہے۔یہیں سارا دن یہ بوڑھے اور فارغ لوگ اپنا وقت گزارتے ہیں دیکھو۔! کوئی تاش کھیل رہا ہے، کوئی کنتوری اور کچھ۔۔۔''

''مطلب یہ گاؤں کا کلب ہے۔'' جسپال نے کہا اور دوسری جانب سے اتر گیا۔دوسری بار اس گاؤں کی مٹی اس کے پاؤں تلے آئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اس کے لیے یہ سب نیا تھا' بالکل انوکھا۔ بھارتی پنجاب کا حقیقی رنگ۔ وہ رنگ جو اس سے پہلے اس نے کبھی فلموں یا تصویروں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سنا ہی تھا کہ پنجاب کا علاقہ بہت امیر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ چاہے بھارتی پنجاب ہو یا پاکستانی پنجاب، علاقہ امیر ہے لیکن وہاں کے بیشتر سے زیادہ لوگ غریب ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف وہی لوگ ہیں جو سیاسی اور معاشی طور پر مضبوط ہیں اور دوسرے لوگوں کا حق غصب کر جاتے ہیں۔ یہ سیاست بھی بڑا بے غیرتانہ کھیل ہے۔ جس کھیل کی بنیاد ہی منافقت ہو۔ اس میں انسانی فلاح کا پہلو کہاں سے آ سکتا ہے۔ اب معلوم نہیں اس نے یہاں کے اور کتنے رنگ دیکھنا تھے۔ یہ تو قسمت اور زندگی پر منحصر تھا کہ وہ اس کا ساتھ دیتی بھی یا نہیں۔ وہ ان لوگوں کو غور سے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ سارے جو کچھ بھی کر رہے تھے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اس نے دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر سب کو فتح بلائی اور انوجیت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو اس کی پشت کی جانب ایستادہ بڑی ساری حویلی کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ ہے تمہاری آبائی حویلی جسپال۔ اٹھائیس برس سے یہ ویسی کی ویسی ہے۔'' انوجیت نے کہا تو جسپال کے دل پر ایک گھونسہ لگا۔ اس نے اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے اس بدقسمت حویلی کو دیکھا جس کے سارے مکین اٹھائیس سال پہلے قتل کر کے جلا دیے گئے تھے۔ اس حویلی کی حالت اپنی خاموش زبان سے خود ہی بتا رہی تھی کہ اس پر اور اس کے مکینوں پر کیا قیامت گزری ہو گی۔ اٹھائیس برس پہلے اٹھنے والے دھوئیں سے جو سیاہی آئی تھی وقت نے اسے مزید سیاہ کر دیا تھا۔ نجانے کتنے ساون اور کتنی بارشیں ہوئی ہوں گی۔ مگر اس حویلی کی قسمت میں سیاہی ہی رہی۔ جلا ہوا پھاٹک بند تھا۔ شاید لوگوں نے پانی ڈال کر آگ بجھائی ہو گی۔ لوہے' پیتل کے کنڈوں کے درمیان میں سے اندر کا بھیانک پن دکھائی دے رہا تھا۔ تبھی اس نے بھیگتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''انوجیت' کیا کبھی کوئی اس حویلی کے اندر نہیں گیا؟''

''نہیں جسپال سچ پوچھو تو لوگ اس حویلی کے اندر جانے سے ڈرتے ہیں۔'' انوجیت نے دکھی لہجے میں کہا۔ تب اس نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ کیوں؟''

''یہ حویلی سن چوراسی کے مئی میں مکمل ہوئی تھی اور اسی مہینے سب لوگ اس میں آ کر رہنے لگے تھے۔ جولائی میں یہ سانحہ ہو گیا اور لوگ اس حویلی کو منحوس خیال کرنے لگے اور اب تک کرتے ہیں۔''

یہ سن کر جسپال مزید کچھ نہیں بولا بلکہ اسے خود پر قابو پانے میں کئی لمحے لگ گئے۔ پھر اس نے اپنی ہمت جمع کی اور دھکیل کر پھاٹک کو کھولا۔ ذرا سی چرچراہٹ کے بعد وہ کھلتا چلا گیا۔ ڈیوڑھی میں گند بھرا پڑا تھا۔ وہ چلتا چلا گیا۔ آگے صحن میں بھی حالت ویسی ہی تھی۔ صرف ایک سرسبز درخت کھڑا تھا۔ نیم کا سرسبز درخت' جس کے پتے اٹھائیس برس سے گر رہے تھے اور ان سے صحن میں سرانڈ بسی ہوئی تھی۔ وہ صحن پار کر کے طویل برآمدے میں آ گیا۔ سیاہ کمرے اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ پھر اس کی آنکھوں کے سارے منظر ڈوب گئے۔ یہیں اس حویلی میں یہاں صحن' برآمدے اور ان کمروں میں اس کا باپو' ماں' تائے' تائیاں' چاچا' چاچی ان کے بچے' اور پھوپھی..... سب زندہ رہے تھے اور اب..... ایک دم سے کہرام زدہ چیخ و پکار اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ ہوائیں بین کرنے لگیں۔ دیواریں ماتم کناں ہونے لگیں۔ اس آہ و بکا میں وہ جی کڑا کر کے وہیں کھڑا رہا۔ اس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اندر نفرت کا الاؤ پوری قوت سے تڑتڑانے لگا تھا اور وہ لمحات کسی تیل کی مانند اسے مزید بھڑکا رہے تھے۔ رگوں میں دوڑتے ہوئے خون میں ہر خلیہ نفرت میں بھیگا ہوا تھا۔ جس میں انتقام رچ بس گیا تھا۔ نفرت اور انتقام دونوں مل کر اس کا جسم پھاڑ دینے کو تھے اور وہ خود کو ٹوٹ جانے سے بچا کر اپنے آپ پر قابو پا رہا تھا۔ ان لمحات میں اگر وہ خود پر قابو نہ رکھ پاتا تو ساری زندگی کی ریاضت ضائع ہو جانے والی تھی۔ ایسے وقت میں جبکہ وہ خود کو سنبھال رہا تھا۔ اس کی پشت پر ایک نرم سا ہاتھ آن ٹھہرا۔ اسے لگا جیسے بھڑکتی ہوئی آگ پر ساون کی رم جھم پھوار پڑنے لگی ہے۔ وہ چونک گیا اس نے آہستگی سے مڑ کر دیکھا۔ نگاہوں میں مامتا' چہرے پر موٹے نقوش' کھلتے ہوئے رنگ میں سے جھلکتا خلوص' سر پر موتیا رنگ کا آنچل لیے فربہ مائل بزرگ سی خاتون اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''پتر جسپال' میں انوجیت کی بے بے ہوں، تیری پھوپھو سکھ جیت کور کی گہری سہیلی کلجیت کور۔''

''کلجیت کور.....! آپ۔'' جسپال سنگھ نے حیرت سے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ نام اس نے اپنی پھوپھو سے بارہا سنا تھا۔

''ہاں پتر! تو چل میرے ساتھ گھر وہیں چل کر باتیں کرتے ہیں۔ میں اس لیے یہاں آئی ہوں تو جتنی دیر یہاں ٹھہرے گا اتنا ہی.....!''

یہ کہتے ہوئے کلجیت کور کا اپنا گلا رندھ گیا۔

جسپال نے چند لمحے کلجیت کور کے چہرے پر دیکھا جو شدت جذبات سے سرخ ہو گیا تھا۔ پھر وہ اس کے گلے لگ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ بہت دنوں کے بعد اپنی پھوپھو سے مل رہا ہو۔ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو جسپال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہری جانب چل دیے۔ صحن میں پھیلے ہوئے نیم کے درخت طرف دیکھتے ہوئے کلجیت کور نے کہا۔

''صرف یہی بچا ہے' تیری طرح..... تیری اور اس کی عمر ایک جتنی ہے غور کر پتر جسپال۔ اس درخت کو پالنے والا دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے، پر رب تو ہے پالنے والا' دیکھ جسے کوئی نہیں پالتا رب اس کو پھل دینے والا بنا دیتا ہے۔ اسے کسی نے نہیں تراشا، پر رب نے اس کو کس قدر سبز و شاداب کر دیا ہے۔ میری یہ بات پلے باندھ لے پتر۔''

ان جذباتی لمحوں میں جسپال نے کلجیت کور کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو وعدہ کریں آپ مجھے وہ سب کچھ سچ بتا دیں گی جو میں نہیں جانتا۔''

''ہاں پتر میں سب کچھ بتا دوں گی مگر ایک وعدہ تم نے بھی مجھ سے کرنا ہے۔''

''ایسا کوئی وعدہ مت لینا پھوپھو جسے میں پورا نہ کر سکوں۔'' جسپال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''چل پھر چھوڑ' بعد میں بات کریں گے آؤ چلیں۔'' وہ مایوسی بھرے لہجے میں بولیں اور باہر کی جانب چل دیں۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا باہر تک آ گیا۔

باہر لوگوں کا ٹھٹ لگ چکا تھا۔ ہر کسی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کلوندر سنگھ کا پتر اور اس حویلی کا مالک آ گیا ہے۔ وہ سب اسے دیکھنے کے مشتاق تھے۔ جسپال سنگھ رک کر ان سب کو دیکھنے لگا۔ وہ سب مختلف عمر کے مرد اور عورتیں' جوان' لڑکے لڑکیاں تھیں۔ تب انوجیت نے اپنی بے بے سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''بے بے تم چلو میں جسپال کے ساتھ تھانے سے ہو کر آتا ہوں۔''

''تھانے' مگر کیوں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ تم غیر ملکی پاسپورٹ پر ویزا لگوا کر بھارت آئے ہو پھر سکھ بھی ہو۔ تھانے میں رپورٹ تو کرنا ہوگی۔ کیونکہ تم غیر ملکی ہو۔ شاید تمہیں اس ملک کا شہری بھی تصور نہ کیا جائے کہ تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تمہارا تعلق اس ملک سے ہے۔'' انوجیت کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی۔ جیسے وہ اس کے بارے میں نہ کہہ رہا ہو بلکہ اپنی قوم کا نوحہ پڑھ رہا ہو۔ اس پر جسپال نے طویل سانس لی اور سکون سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔''

جیسے ہی کلجیت کور اپنی سفید کار میں ڈرائیور کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ انوجیت اپنی جیپ کی طرف بڑھا۔ جسپال اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا تو اس نے جیپ بڑھا دی۔ ان کا رخ تھانے کی طرف تھا۔

☆.....☆.....☆

میں بے چینی سے پیرزادہ وقاص کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تک اس کی طرف سے آنے والے لوگوں کو آ جانا چاہیے تھا۔ چھا کا تیار ہو کر آیا تو اسے بدلی ہوئی صورت حال کے بارے میں معلوم ہوا۔ اس نے فوراً ہی اپنے چند دوستوں کو اکٹھا کر لیا۔ وہ سب گھر کے باہر مختلف جگہوں پر پھیل گئے تاکہ کسی بھی ناگہانی صورت حال سے نمٹا جا سکے۔ جبکہ میں صحن میں ٹہلنے لگا۔ اماں اور سونی بھی صورت حال سے آگاہ تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں دو تین بار چھت پر سے ہو کر آ گیا۔ میرے گھر کی چھت سے دور تک سڑک صاف دکھائی دیتی تھی۔ اس بار جب میں چھت پر گیا تو مجھے ایک ہائی ایس وین آتی ہوئی دکھائی دی۔ مجھے اس پر شک ہوا۔ ایسی وینیں ہمارے علاقے میں نہیں چلتی تھیں۔ میں نے تیزی سے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ پھر خود ہی اتر کر گلی میں آ گیا جہاں میری بائیک پہلے ہی سے کھڑی تھی۔ چھا کے وغیرہ نے گلی میں کھڑی ہوئی جیپ کو دھکا لگا کر گلی کے کنارے لگا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ہائی ایس گلی میں داخل ہوئی اور پھر میرے دروازے کے سامنے آن رکی۔ اس میں کافی ساری عورتیں اور مرد تھے۔ ان عورتوں کے چہرے شناسا تھے۔ ایک موٹا سا شخص باہر نکلا اور بڑے مودب لہجے میں بولا۔

''وہ..... جی..... سونی..... آپ کے پاس.....!''

''وہیں ٹھہرو ابھی بلاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پلٹ کر گیٹ میں آ گیا۔ سونی نیم کے درخت تلے اماں کے ساتھ کھڑی تھی۔ میں نے وہیں سے ہانک لگاتے ہوئے کہا۔ ''آ جاؤ' سونی تمہارے لوگ تجھے لینے کے لیے آ گئے ہیں۔''

میرے یوں کہنے پر وہ اماں کے گلے لگ گئی۔ پھر اپنے آنسو پونچھتی ہوئی باہر کی جانب چل پڑی تب میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''رک جاؤ۔'' وہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے اماں سے کہا۔

''اماں اس کے وہ کپڑے جو یہ پہن کر یہاں آئی تھی وہ تو دے دو اسے۔''

اماں کو جیسے ہوش آ گیا وہ پلٹی اور چند منٹوں میں ایک بڑا سا راشا پنگ بیگ لا کر سونی کو دے دیا۔ اس نے اماں کی طرف دیکھا اور پھر تیزی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے میری جانب لپکی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی ویگن میں موجود لوگوں کی جان میں جان آ گئی۔ جبکہ سوہنی میرے سامنے کھڑی میرے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔ اس کا انداز یوں تھا کہ جیسے میرا چہرہ اپنی آنکھوں میں جذب کر رہی ہو۔ پھر آہستگی سے بولی۔

''جمال میں تجھے ہمیشہ یاد رکھوں گی اور تیرا انتظار کروں گی جب چاہے آزما لینا۔''

میں اسے کہنا چاہتا تھا کہ'' جاؤ' یہ ڈائیلاگ بازی مت کرو جانے والے کہاں پلٹ کر دیکھتے ہیں۔'' مگر وہ میرا ردعمل دیکھے اور میری بات سنے بغیر ویگن کی طرف بڑھی اور اس میں سوار ہوگئی۔ جب تک وہ موٹا شخص میرے قریب ہوا اور بڑے مودب لہجے میں بولا۔

''پیرزادہ صاحب کا پیغام ہے کہ آپ انہیں فون کر لیں۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ پلٹ کر پسنجر سیٹ پر جا بیٹھا۔ تب تک میں بھی اپنی بائیک پر بیٹھ چکا تھا۔ ویگن کے بڑھتے ہی میں نے اپنی بائیک بڑھا دی۔ پھر جس وقت وہ چوک پار کر رہے تھے تب تک چھ موٹر سائیکلیں ویگن کے ارد گرد چل پڑی تھیں۔ ہر موٹر سائیکل پر دو دو بندے تھے اور وہ سب اسلحہ سے لیس تھے۔ اگر کچھ ہونا ہوتا تو یہیں ہونا تھا کیونکہ گاؤں کی گلیوں سے نکلتا ہوا یہ قافلہ سڑک پر آ گیا تھا اور سامنے سردار شاہ دین کی حویلی تھی۔ میں پوری طرح چوکنا تھا۔ ویگن نے سڑک پر چڑھ کر شہر کی طرف رخ کر لیا۔ چند کلو میٹر تک ہم ان کے ساتھ گئے پھر پلٹ آئے۔ اس دوران میں نے سوہنی کی جھلک کئی بار دیکھی۔ جب بھی میری نگاہ اس پر پڑی وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ چھاکے نے انہیں شہر تک چھوڑ کر آنا تھا۔ وہ ان کے ساتھ بڑھ گیا۔ ان کے ساتھ ایک موٹر سائیکل پر دو لوگ تھے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ سردار شاہ دین نے مجھے دھمکانے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔ میں کسی ایسے ہی وقت کا انتظار کر رہا تھا، جب سردار میرے ساتھ دشمنی کا آغاز کرے اور میرے خیال میں وہ ایسا کر چکا تھا۔ شاید میرا وہ خواب مجھے یہی بتانے کے لئے تھا کہ جس جنگ کی میں بچپن سے خواہش کر رہا تھا، وہ شروع ہونے والی ہے۔

مجھے پیرزادے کو فون کرنا تھا۔ میں نے چوک میں جا کر اسے فون کیا۔ وہ گھر پر نہیں تھا۔ سو میں ڈیرے کی طرف چل دیا۔ اس وقت سہ پہر ہو چکی تھی اور میں ڈنگروں کو چارہ ڈال کر بیٹھا ہی تھا۔ بھیدہ دودھ دوہنے کی تیاری کرنے کے لیے برتن میں پانی بھرنے گیا ہوا تھا۔ اس دن ہمیں دیر ہوگئی تھی۔ میں اور بھیدہ مغرب تک مصروف رہتے۔ ابھی کچھ دیر بعد گوالوں نے آ جانا تھا۔ جو ہم سے دودھ خریدتے تھے۔ اگرچہ دیر ہو جانے کی وجہ سے مجھے بھیدے کا ہاتھ بٹانا تھا مگر میرا ذہن کام کی طرف نہیں تھا۔ بلکہ میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

پچھلے کئی گھنٹوں میں جو میرے ساتھ پے در پے واقعات پیش آئے تھے۔ مجھے ان کا سرا نہیں مل رہا تھا۔ میرا دماغ بھی میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرا خواب اور یہ واقعات، ان میں کوئی تعلق ہے؟ انہی لمحات میں ڈیرے کی جانب آنے والے کچے راستے پر سفید کرولا آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے پیچھے دھول اُڑ رہی تھی۔ جس میں دو تین اور بھی گاڑیاں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ میں پہچان گیا کہ وہ شاہ زیب کی گاڑی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کیونکہ پیرزادہ وقاص کے ساتھ بات کر کے میرا اندازہ تھا کہ وہ میرے پاس ضرور آئے گا۔ اس نے باہر والے پھاٹک پر ہی گاڑی روک دی تو باقی گاڑیاں بھی وہیں رک گئیں۔ وہ اپنی گاڑی سے نکلا اور بڑی بے تکلفی سے تنہا پھاٹک کھول کر اندر ڈیرے میں آ گیا۔ باقی لوگ باہر ہی کھڑے رہے۔ علیک سلیک کے ساتھ وہ چارپائی پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ میں اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھا تو چند لمحے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''پیرزادہ وقاص نے بڑی گہری سازش کر کے مات والا بدلہ لے لیا۔تم شاید نہ سمجھو لیکن میں جانتا ہوں کہ اس نے میرا بہت بڑا نقصان کر دیا ہے۔''

''کون سا نقصان.....اور کتنا.....سردار شاہ زیب۔'' میں نے کہا تو باوجود کوشش کے طنز کو اپنے لہجے سے الگ نہیں کر پایا۔تبھی وہ تاسف سے بولا۔

''یہ نقصان روپے پیسے کا نہیں ہے جمال اس نے جو میرے خلاف تیرے دل میں شک کا زہر اتار دیا ہے نا یہ بہت بڑا نقصان ہے.....یہ نوٹوں سے پورا کرنا بھی ناممکن ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں سردار جی.....کون کیا کر رہا ہے۔اتنی عقل ہے مجھ میں۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جہاں افسوس بھرا تاثر پھیلا ہوا تھا۔میری بات سن کر وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''عقل ہی تو نہیں ہے تجھے،ورنہ تو بھی وقت کے ساتھ چلتا۔آج تیرا شمار اکھڑ اور بدمزاج لوگوں میں نہ ہوتا۔تو نے پتا نہیں اپنے لیے کیا معیار بنایا ہوا ہے کہ تجھے کوئی بندہ پسند ہی نہیں آتا۔مصلحت سے کام ہی نہیں لیتے ہو۔''

''ایک مصلحت ہی تو نہیں آتی مجھے،میں کیوں ایسے بندے کو پسند کروں جو مجھے اچھا نہیں لگتا اور جہاں تک وقت کی نزاکت کا خیال ہے نا شاہ زیب.....جو حملہ آور میرے گھر پر چڑھ دوڑے تھے۔انہیں اگر لمحوں کا وقت بھی دے دیتا نا تو وہ مجھے مار کر وہیں پھانک پر پھینک جاتے،جہاں ابھی تک ان کی جیپ کھڑی ہوئی ہے۔''

''انہی بندوں کا تو پتا نہیں چل رہا کہ وہ کون تھے۔ہمیشہ ادھوری بات ہی الجھن پیدا کرتی ہے جمال کوئی ایک بندہ بھی ان کا پکڑ لیتے نا تم،تو آج یہاں آ کر تم سے بات نہ کرنا پڑتی۔تجھ پر سارا کچھ خود بخود کھل جاتا۔تیرے اندر جو شک کا ناگ پھنکارنے لگا ہے نا ایسا نا ہوتا.....!'' وہ اس طرح تشویش سے بول رہا تھا کہ جیسے واقعتاً بہت بڑا نقصان ہو گیا ہو۔

''سوچنے والی بات یہ ہے میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی' کوئی گلہ' کوئی شکوہ' نہ کوئی شکایت اور شاہ زیب نہ ہی تم پہنچے ہوئے بابا ہو کہ میرے اندر بیٹھے شک کے ناگ کو پھنکارتے ہوئے دیکھ رہے ہو،بات کیا ہے سردار ذرا کھل کے بولو۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تجسس سے پوچھا تو وہ غصے سے بولا۔

''ساری کہانی مجھے پیرزادہ وقاص نے فون پر بتائی ہے۔اس نے یہ بھی کہا ہے کہ رات ہونے سے پہلے پہلے اس نے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔اس نے مجھے اس پوزیشن میں لا کھڑا کیا ہے کہ میں تجھے اپنی صفائی بھی نہیں دے سکتا اور نہ تجھے یہ باور کرا سکتا ہوں کہ یہ سارا کچھ اسی کا کیا دھرا ہے۔اس نے سازش کی ہے میرے خلاف' تجھے بھڑکانے کے لیے۔میں اعتراف کرتا ہوں جمال کہ وہ اس میں کامیاب ہے۔''

''ٹھیک ہے مان لیا سردار جی کہ ایسا ہی ہو گا لیکن اس وقت میرے لیے کیا حکم ہے۔'' میں نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''صرف اتنا کہ میری طرف سے یا پھر حویلی والوں کی طرف سے اپنا دماغ مت خراب کرنا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے اپنے غنڈے بھجوائے، وہ اگر کامیاب ہو جاتے تو بھی وہ اپنا بدلہ لے لیتا کہ ہماری 'جُو'' (علاقے) سے لڑکی اٹھا کر لے گیا ہے اور اب ناکام ہوا تو ہم نے اپنے ہاتھوں سے لڑکی اسے دی، اپنی حفاظت میں لڑکی کو شہر تک چھوڑا، غور کرو اس کی سازش کامیاب ہے۔'' وہ تاسف سے بولا۔

''تمہیں معلوم ہے شاہ زیب کہ میں اپنے دماغ سے سوچتا ہوں۔ وہ میں نے سوچ لیا ہے۔ ہاں اس کامیاب سازش کو اگر ناکام کرنا چاہتے ہو تو اب بھی وقت ہے کر سکتے ہو۔ ورنہ میں نے تو وہی کرنا ہے نا جو میں نے سوچا ہے۔''

''وہ کیا؟'' اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

''میرے گھر کے سامنے کھڑی ہوئی جیپ، یہ پکی بات ہے کہ وہ چوری کی ہوگی۔ سردار شاہ دین ایم این اے ہیں۔ پارٹی میں بڑا اثر و رسوخ ہے۔ پولیس والے ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ پتا کروالیں یہ کس نے چوری کی ہے۔ معاملہ صاف ہو جائے گا۔'' میں نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ ایک دم سے تن گیا جیسے بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہو۔

''ٹھیک ہے اب مجھے صفائی دینے کی ضرورت نہیں' سارا معاملہ پولیس حل کر دے گی۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں روایتی طریقے سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اس نے ایک نگاہ میرے چہرے پر ڈالی اور واپس پلٹ گیا۔ میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا۔ جب تک وہ اپنے ساتھ آئے لوگوں کے ساتھ کچے راستے پر گاڑیاں دوڑاتے ہوئے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ میں دھیرے سے ہنس دیا۔ مجھے اپنی انگلی پر نچانے والے اب خود ناچنے لگے تھے۔

مغرب سے ذرا قبل میں نے گھر لے جانے کے لیے دودھ کا برتن بائیک کے پیچھے رکھا اور چل دیا۔ گوالے کب کا دودھ لے جا چکے تھے۔ ڈیرے سے گھر کا فاصلہ تقریباً اڑھائی کلو میٹر تھا جو سارے کا سارا کچا تھا۔ میں گاؤں میں داخل ہو کر چوک تک آیا تو فضل کمہار نے مجھے روک لیا پھر جلدی سے بولا۔

''ابھی اپنی گلی میں مت جاؤ' ادھر پولیس آئی ہوئی ہے۔ تیرے گھر کے سامنے کھڑی ہے نا وہ جیپ۔''

''پولیس مگر وہ کیوں؟'' میں نے تجسس سے پوچھا، حالانکہ میرے لاشعور میں کہیں تھا کہ ایسا ہی ہونے والا ہے۔ وہ جب بھی بنی، میرے گلے میں پھندا بننے کی وجہ بنے گی۔ اب وہ پھندا بنتی ہے یا نہیں لیکن اس سے یہ تصدیق ہو جانی تھی کہ حملہ آوروں کا تعلق کن سے تھا، پیرزادہ وقاص یا سردار شاہ دین؟

''پتا نہیں وہ جیپ کو گھیرے کھڑے ہیں۔ تیری اماں نے تو کہا ہے کہ وہ آئے گا تو اس سے پوچھ لیں۔ وہ آنے والا ہی ہے۔ میں یہاں تیرے انتظار میں کھڑا تھا کہ تجھے بتا دوں۔'' اس نے احسان جتانے والے انداز میں کہا تو میں نے اسے جواب نہیں دیا بلکہ آگے بڑھ گیا۔ میں بھی شدت سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ جیپ کس کی ہے۔

گلی میں پولیس والے کھڑے تھے دو پولیس وین ایک جیپ اور جدید ماڈل کی دو کاریں بھی تھیں۔ میں نے بے دھڑک اپنی بائیک ان

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کے پاس روک دی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ الرٹ ہو گئے۔ میں نے دودھ کا برتن اتارا ہی تھا کہ مجھے لگا جیسے وہ میرے گرد گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔ تبھی ایک ادھیڑ عمر ایس ایچ او نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ میں نے اس دوران اس کے سینے پر لگے بیج پر اس کا نام افضل رندھاوا پڑھ لیا تھا۔ اس کا لہجہ کرخت تھا۔

''تم جمال ہو اور یہ گھر تمہارا ہے۔''

''ہاں میں ہی جمال ہوں اور یہ میرا ہی گھر ہے' خیریت.....!'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا

''ہم تجھے گرفتار کرنے کے لیے آئے ہیں' چلو ہمارے ساتھ.....!'' وہ بڑے رعب سے بولا۔

''کیوں؟ مجھے گرفتار کرنا ہے؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔ ابھی لفظ میرے منہ میں ہی تھے کہ پشت سے میری گردن پر زوردار گھونسہ پڑا۔ ایک لمحے کے لیے میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ میں ایک دم سے بھنا گیا۔ لاشعوری طور پر جو دودھ والا برتن میرے ہاتھ میں تھا میں نے گھما کر اندازے سے ایک بندے کے سر پر دے مارا۔ اگلے ہی لمحے گنیں اور رائفلیں میری طرف سیدھی ہو گئیں۔ افضل رندھاوا نے انتہائی سرعت سے اپنا ریوالور نکال لیا۔

''خبردار' حرکت مت کرنا۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔''

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کئی پولیس والے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ دودھ والا برتن میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کتنے لوگ تھے۔ میں مزاحمت میں فقط اتنا بچاؤ کر رہا تھا کہ کوئی ضرب نازک جگہ پر نہ لگے۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا، وہ نجانے کتنے تھے جو مجھے پیٹتے رہے۔ میں بے دم سا ہونے لگا۔ مجھے کچھ بھی سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسے میں مجھے کسی نے کمر سے پکڑ کر زمین سے اٹھایا۔ اگلے ہی لمحے کئی ہاتھ میری طرف بڑھے۔ انہوں نے کسی بوری کی مانند پولیس وین میں مجھے پھینک دیا۔ تب مجھے اپنے سر پر شدید چوٹ کا احساس ہوا۔ پھر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

(امجد جاوید کا یہ دلچسپ اور طویل ناول ابھی جاری ہے، باقی واقعات اگلی قسط میں پڑھیے)

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY